ہمارے حضور

امۃ اللہ تسنیم

مکتبہ اسلام لکھنؤ

بچوں کی قصص الانبیاء
ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم
حصہ پنجم ۵
از
امۃ اللہ تسنیم
ناشر
مکتبہ اسلام ۱۷۲/۵۴ محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ

۱۴۲۵ھ ———— ۲۰۰۴ء

نام کتاب: .... ہمارے حضورﷺ

مؤلفہ: .... امۃ اللہ تسنیم

کمپوزنگ: .... نازیہ حامد (ڈالی گنج لکھنؤ)

طباعت: .... کاکوری آفسٹ پریس لکھنؤ

قیمت: .... ₹.40

مکتبہ اسلام ۱۷۲/۵۴ محمد علی لین گوئن روڈ لکھنؤ

فہرست عناوین

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

از: حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ

اللہ تعالیٰ کا جب کسی انسان پر فضل ہوتا ہے اور وہ اس کو قبول فرماتا ہے تو اس کو نیک کاموں کی محبت اور دین کی خدمت کی توفیق عطا فرماتا ہے۔ ان نیک کاموں اور دین کی خدمت کی مختلف صورتوں میں ایک بڑا محبوب اور بلند کام اللہ کے محبوب ترین بندوں، انبیاء علیہم السلام کی سیرتوں اور تذکروں کی تبلیغ واشاعت ہے۔

ہمشیرہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کو اللہ تعالیٰ نے ''بچوں کی قصص الانبیاء'' مرتب کرنے کی توفیق عطا فرمائی، جو بحمد للہ بہت مقبول ہوئی۔ انھوں نے بہت سے انبیاء کرام کی سیرت کو بچوں کی زبان میں بڑے سادہ و دلنشیں طریقے پر لکھا ہے، اور بچوں کی دینی تعلیم وتربیت کے سلسلہ کی ایک بڑی کمی پوری ہوگئی۔ اس کام کی تکمیل کے بعد ان کو سید الانبیاء اور خاتم الانبیاء سیدنا ومولانا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ لکھنے کا جذبہ پیدا ہوا۔ سیرت پر اردو میں بڑی چھوٹی اتنی کتابیں ہیں کہ ظاہری طور کسی نئی کتاب کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ لیکن پھر بھی بچوں

کے لئے اب بھی بہت سی کتابوں کی گنجائش ہے، اور اس سلسلہ میں جتنا اضافہ اور جتنی وسعت ہو وہ مبارک اور مفید ہے۔

تسنیم صاحبہ نے ''ہمارے حضورؐ'' کے نام سے جو کتاب مرتب کی ہے وہ سیرت کے صحیح اور مستند واقعات پر مبنی ہے۔ زبان نہایت ہی شیریں ہے، واقعات کا انتخاب بہت اچھا ہے، انھوں نے چونکہ عقیدت وخلوص اور دلی جذبہ سے کتاب لکھی ہے اس لئے مؤثر اور دلآویز ہے۔ یہ محض واقعات کی بے جان فہرست نہیں ہے بلکہ اس میں دینی واخلاقی تربیت کا سامان بھی ہے۔ انھوں نے واقعات سے صحیح نتائج اور ان واقعات کے قابل غور پہلو کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ان کا قلم بچوں اور بچیوں کے لئے کتابیں تحریر کرنے میں مشاق ہوگیا ہے اس لئے کتاب اپنی زبان کے اعتبار سے بھی اور اپنے مضامین اور طرز بیان کے اعتبار سے بھی ان کی سطح سے بلند نہیں ہے اور امید ہے کہ اس کا پڑھنا اور سمجھنا ان کے دماغ پر بوجھ نہ ہوگا۔ مضامین کو انھوں نے مختلف ہلکے پھلکے عنوانات میں تقسیم کردیا ہے اور ہر مضمون یا واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے کہ ان کا پڑھنا اور یاد رکھنا کمسن طالب علموں کے لئے دشوار نہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور ان کی اس کتاب کو اس موضوع کے شایان شان مقبول بنائے۔

ابوالحسن علی

مورخہ ۷/ذی الحجہ ۱۳۷۸ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ملک عرب

یہاں سے دور، بہت دور، سمندر پار، پچھّم رُخ ایک ملک ہے جس کا نام عرب ہے۔ اس ملک عرب کا ایک بڑا حصہ ریت اور پہاڑ ہے، اور کچھ حصہ سرسبز اور شاداب ہے۔ اسی عرب کا ایک صوبہ حجاز ہے۔ حجاز میں کئی شہر ہیں مثلاً جدۃ، طائف، مکہّ، مدینہ۔

مکّہ معظمہ

مکہ معظمہ بہت ہی مقدس مبارک اور قابل تعظیم شہر ہے اس لئے کہ خانہ کعبہ جس کی طرف ہم تم اور تمام دینا کے مسلمان پانچ وقت کی نماز پڑھتے ہیں، اسی مقدس شہر میں ہے۔ یہ شہر بہت ہی غیر آباد اور، سونا سا تھا، ہاں شام اور یمن کے حصے بہت آباد تھے، شام سے یمن اور یمن سے شام کو جو سوداگر آتے جاتے تھے، وہ اسی طرف سے ہو کر جاتے تھے، یا کبھی کبھار کوئی قافلہ ادھر سے گزر جاتا تو گزر جاتا

ورنہ یہاں آدم نہ آدم زاد۔

نہ گھر نہ در۔

نہ حیوان نہ انسان۔

نہ پیڑ نہ پتے۔ البتہ اس کی جگہ پہاڑ اور ٹیلے ضرور تھے۔

پہاڑ اور ٹیلے سراب اور بیاباں
کھجوروں کے جھنڈ اور خارِ مغیلاں

نہ تالاب نہ چشمے، نہ نہر نہ کنوئیں۔

نہ سبزہ تھا صحرا میں پیدا نہ پانی
فقط آبِ باراں پہ تھی زندگانی

مکہ مکرمہ کی آبادی

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا گھرانہ

حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد میں بڑے بڑے جلیل القدر پیغمبر پیدا ہوئے، ان میں ایک حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی تھے۔ حضرت ابراہیمؑ عراق کے ملک میں پیدا ہوئے۔ اور یہیں پلے بڑھے۔

ان کا باپ آزر بُت تراش اور بُت فروش تھا۔ اور ان کی ساری قوم بتوں کی پجاری تھی۔ جب حضرت ابرہیمؑ جوان ہوئے۔ اور اللہ نے ان کو دین کی سمجھ عطا فرمائی، نبوت سے سرفراز فرمایا تو ان کو اپنے باپ اور اپنی قوم کی گمراہی ایک آنکھ نہ بھائی۔ انھوں نے طرح طرح سے اپنے باپ اور اپنی قوم کو سمجھایا مگر وہ کسی طرح گمراہی سے باز نہ آئے بلکہ ان کی نصیحت سے ناراض ہوکر ان کو بہت دکھ پہونچایا، تکلیفیں دیں، آگ کے الاؤ میں جھونکا، پتھر مارنے کی دھمکی دی۔ آخر کار انھوں نے اللہ کی مرضی پا کر اپنے سرسبز وشاداب اور محبوب وطن کو چھوڑ دیا۔

اپنی بیوی ہاجرہ اور اپنے شیر خوار بچے اسمٰعیل کو لے کر کوسوں دور سفر کر کے مکہ معظمہ پہونچے اور ایسے چٹیل میدان میں بیوی بچہ کو اتارا، جہاں پہاڑ اور ٹیلے کے سوا کچھ نہ تھا۔ پھر ان کو چھوڑ کر آپ جانے لگے۔

بیوی نے کہا۔ ”آپ ہم دونوں کو اکیلا چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں“؟ حضرت ابراہیمؑ نہیں بولے۔

بیوی نے کہا۔ ”کیا آپ اللہ کے حکم سے ایسا کر رہے ہیں“۔؟

حضرت ابراہیمؑ نے کہا۔ ”ہاں“۔

بیوی نے کہا ”اگر یہی بات ہے تو پھر اللہ ہم کو ضائع نہ کرے گا“

غرض حضرت ابراہیم علیہ السلام بیوی بچہ کو اسی بے آب وگیاہ زمین میں چھوڑ کر چلے گئے جہاں دانا نہ پانی۔

نہ کھیتوں میں غلّہ نہ جنگل میں کھیتی
عرب اور کل کائنات اس کی یہ تھی

اللہ اللہ ایک لق ودق میدان جس کا کوئی اُور چھور نہیں، اس میں ایک کمزور عورت اور ایک ناتواں بچہ۔ مگر وہ اللہ سے ڈرنے والی اور اللہ پر پورا بھروسہ رکھنے والی تھیں، نہ ان کو اس لق ودق میدان میں کچھ خوف وہراس ہوا، نہ کھانے پینے کی فکر۔ ان کو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ ضرور ہماری مدد فرمائے گا، اور وہی ہوا۔ اللہ نے مدد فرمائی اور خوب مدد فرمائی اللہ پر بھروسہ رکھنے والے یوں ہی کامیاب ہوتے ہیں۔

بچّہ کو پیاس لگی اور وہ رونے لگا، ماں کی محبت، وہ بے چین ہوگئیں۔ پانی کی تلاش کرنے لگیں، مگر مکّہ میں پانی کہاں! سامنے ایک پہاڑی تھی جس کا نام صفا تھا، اس پر چڑھ کر چاروں طرف نظر دوڑائی، مگر نظریں ناکام پلٹ آئیں، نہ کوئی چشمہ نظر آیا نہ آدمی۔ گھبرا کر اُتریں اور دوڑ کر بچّہ کے پاس پہونچیں، دیکھا تو وہ اسی طرح پیاس کے مارے تڑپ رہا ہے، یہ دیکھ کر بے تاب ہوگئیں اور بے قراری

سے مروہ پہاڑی پر چڑھیں، وہاں بھی کچھ نظر نہ آیا۔ اسی طرح سات چکر انھوں نے صفا مروہ کے لگا ڈالے لیکن پانی نہ ملا، اب جو واپس ہوئیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ بچہ اپنے پاؤں زمین پر رگڑ رہا ہے اور اس کے پاؤں کے نیچے پانی کا چشمہ اُبل رہا ہے۔ مارے خوشی کے چشمہ کے پاس آئیں اور اس کو چاروں طرف سے مٹی سے گھیر لیا۔ پھر بچہ کو پانی پلایا، خود بھی پیا اور خدا کی اس نعمت کا بڑا شکر ادا کیا۔ یہ وہی چشمہ ہے جو آج زمزم کا کنواں کہلاتا ہے جس سے ساری دنیا کے مسلمان سیراب ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں۔ مگر یہ خشک نہ ہوا۔ اور کیسے خشک ہوتا، یہ خداداد کنواں تھا۔

جرہم کا قبیلہ

قافلے تو آتے جاتے رہتے تھے۔ ایک مرتبہ جرہم کا قافلہ ادھر سے گزرا اور اس نے قریب ہی پانی کا ایک چشمہ دیکھا تو اُتر پڑا، اور حضرت ہاجرہ سے کہا، اجازت دو تو ہم لوگ بھی یہاں رہ پڑیں، حضرت ہاجرہ نے کہا "شوق سے رہو لیکن چشمہ پر تمہارا قبضہ نہ ہوگا، یوں تم جتنا پانی چاہو لے سکتے ہو"۔ وہ لوگ وہیں ٹھہر گئے۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام جب دوبارہ مکّہ معظمہ تشریف

لائے تو حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام جوان ہو چکے تھے۔ ایک رات حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے خواب دیکھا کہ وہ اپنے ہونہار بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کو ذبح کر رہے ہیں۔ صبح ہوئی تو بیٹے سے اپنا خواب بیان کیا، اور کہا کہ "اللہ کا حکم ہے کہ میں تم کو ذبح کروں۔"

سعادت مند بیٹے نے کہا۔ "ابّا جان آپ اللہ کا حکم بجا لائیے، اور آپ اللہ کے حکم سے مجھے صبر کرنے والا پائیں گے۔"

چاہنے والا باپ اپنے محبوب بیٹے کو منیٰ لے جاتا ہے اور وہاں لٹا کر گلے پر چھری رکھتا ہے کہ آواز آتی ہے:

"ابراہیم رُک جاؤ۔ تم امتحان میں پورے اُترے۔" پھر حضرت جبریل علیہ السّلام کو حکم ہوتا ہے، کہ جنت سے ایک مینڈھا لے کر جاؤ، اسمٰعیل ذبح نہ ہونے پائیں ان کی جگہ یہ مینڈھا ذبح ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام و حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کا یہ ایثار اور قربانی اللہ کو اتنی پسند آئی کہ قیامت تک کے لئے مسلمانوں پر قربانی واجب کر دی گئی۔

حضرت ابراہیم علیہ السّلام چلے گئے، کچھ عرصہ کے بعد پھر تشریف لائے تو دونوں باپ بیٹے نے مل کر اللہ کا ایک گھر بنایا جو بیت اللہ شریف اور خانہ کعبہ کے نام سے مشہور ہوا۔

وہ دنیا میں گھر سب سے پہلا خدا کا
خلیلؑ ایک معمار تھا جس بِنا کا
ازل میں مشیّت نے تھا جس کو تاکا
کہ اس گھر سے اُبلے گا چشمہ ہدیٰ کا

دونوں پہاڑ سے پتھر لاتے اور کعبہ بناتے۔ ہاتھ کام میں مشغول تھے اور زبان پر یہ دعا تھی:

"اے اللہ اس شہر میں امن و امان قائم کر اور یہاں کے رہنے والوں کو رزق عطا فرما، اور ہم کو اور ہماری اولاد کو اپنا مطیع اور فرمانبردار بنا، اور ہماری نسل میں ایک جماعت ایسی پیدا کر، جو تیری مطیع اور فرمانبردار ہو۔ پھر ان میں ایک رسول پیدا فرما جو ان کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور علم و حکمت سکھائے، تو بڑا سننے والا اور جاننے والا ہے۔"

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السّلام کی ایک ایک دعا قبول فرمائی۔ آج اس چٹیل میدان کو جا کر دیکھو کہ کیا سے کیا ہو گیا۔ رزق ایسا کہ دنیا کی ہر چیز ملتی ہے، پانی ایسا کہ ساری دنیا میں زمزم جاتا ہے اور کم نہیں ہوتا۔ عبادت کو دیکھو تو ہر سال دور دور سے لوگ کھنچ

کھنچ کر حج کی خاطر آتے ہیں اور حج کے ارکان ادا کرتے ہیں، اور حضرت اسمٰعیلؑ کی قربان گاہ پر لاکھوں جانور ذبح کیے جاتے ہیں، اور مکہ کی وادیاں لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کی صداؤں سے گونج اٹھتی ہیں، پھر انھیں کی دعا سے انھیں کی نسل میں ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسی مبارک سرزمین میں پیدا ہوتے ہیں جس سے مکہ میں اور چار چاند لگ جاتے ہیں۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی شادی اور ان کی اولاد

وہی جرہم کا قبیلہ جو مکہ میں آ کر مقیم ہوا تھا، اسی کے قبیلہ کی ایک لڑکی سے حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی شادی ہوئی پھر ان سے جو اولاد ہوئی وہ خوب بڑھی، خوب پھلی پھولی اور عرب کے تمام اطراف میں پھیل گئی۔ پہلے تو یہ لوگ ایک اللہ کے پجاری اور اس کے دین کے پرستار تھے، سب کا رب اللہ تھا، سب کا دین اسلام تھا، لیکن دھیرے دھیرے یہ لوگ اللہ سے دور اور کفر کے قریب ہوتے گئے، پھر یہ ہوا کہ بالکل ہی خدا سے غافل ہو گئے اور بتوں کے پکے پجاری بن گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلّم سے پہلے

اب سے چودہ سو برس پہلے کی بات ہے کہ یہی عرب برائیوں کا اڈا اور بتوں کا مرکز تھا، کون ایسی برائی تھی جو وہاں موجود نہ ہو۔

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ
ہر ایک لوٹ اور مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا ان کا زمانہ
نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ
وہ تھے قتل وغارت میں چالاک ایسے
درندے ہوں جنگل میں بیباک جیسے

جوا، شراب، ظلم وستم، ڈاکہ زنی، لوٹ مار، لڑائی، جھگڑے، شر اور فساد، جنگ وجدل، قتل وغارت گری۔

جوا اُن کی دن رات کی دل لگی تھی
شراب ان کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
تعیش تھا، غفلت تھی، دیوانگی تھی
غرض ہر طرح ان کی حالت بری تھی

بہت اس طرح گزریں تھی ان کی صدیاں
کہ چھائی ہوئی نیکیوں پر تھیں بدیاں

لڑائی کا یہ حال تھا کہ معمولی سے معمولی بات پر اگر جنگ چھڑ جاتی تو قبیلہ کے قبیلہ کٹ مرتے تھے، خون کی ندیاں بہہ جاتی تھیں اور نسل درنسل یہ جنگ قائم رہتی تھی اور خاندانوں کی صفائی ہوجاتی تھی۔

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا
کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
لب جو، کہیں آنے جانے پہ جھگڑا
کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
یوں ہی روز ہوتی تھی تکرار اُن میں
یوں ہی چلتی رہتی تھی تلوار اُن میں
وہ بکر اور تغلب کی باہم لڑائی
صدی جس میں آدھی انھوں نے گنوائی
قبیلوں کی کر دی تھی جس نے صفائی
تھی ایک آگ ہر سو، عرب میں لگائی
نہ جھگڑا کوئی ملک و دولت کا تھا وہ
کرشمہ ایک ان کی جہالت کا تھا وہ

عورتوں کا درجہ لونڈیوں سے بدتر

ایک ایک کے کئی کئی بیویاں ہوتی تھیں، اور جب مرد مرجاتے تو عورتیں تقسیم ہوتی تھی جیسے میراث تقسیم ہوتی ہے۔

لڑکیوں سے نفرت

حال یہ تھا کہ اگر لڑکی پیدا ہو جائے تو جیتا گاڑ دیں۔

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر
تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور
کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جا کر

بتوں کی پوجا گھر گھر

خاص بیت اللہ شریف کے اندر تین سو ساٹھ بُت تھے۔

تماشہ یہ کہ ہر قبیلہ کا ایک بت، ہر ایک قبیلہ کا ایک خدا تھا۔

قبیلہ قبیلہ کا بت ایک جدا تھا
کسی کا ہبل تھا کسی کا صفا تھا
یہ عُزّیٰ پہ وہ نائلہ پر فدا تھا
اسی طرح گھر گھر نیا اک خدا تھا

لونڈی غلاموں پر وہ ظلم کرتے کہ الٰہی توبہ! نہ خدا کا ڈر، نہ دنیا کی شرم، نہ مرنے کا دھیان، نہ آخرت کا خوف، نہ خدا کے روبرو جانے کا یقین، بڑوں کی عزت، نہ چھوٹوں سے الفت۔ اپنے پرائے کا خیال، نہ دوستی اور محبت کا پاس۔

مگر جہاں ساری برائیاں تھی، وہاں کچھ خوبیاں بھی ایسی تھیں جو بے مثل تھیں، وہ یہ کہ انتہائی سخی، بے حد مہمان نواز بڑے ہی جفاکش، انتہائی بہادر، وعدہ کے سچّے، قول کے پکّے، جان جائے آن نہ جائے۔ بہادری کا یہ عالم کہ تلواروں کی چھاؤں میں جان دینا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا۔

قبیلہ قریش

خیر عرب والے جیسے کچھ تھے لیکن عرب خود اپنی ذات سے تو وہی عظمت والا ملک تھا۔ جس کا سکّہ چار دانگ عالم پر چھایا ہوا تھا، جس کی شہرت دور دور پہنچی ہوئی تھی۔

اسی ملک عرب میں حجاز کے اندر قریش کا شریف خاندان آباد تھا۔

یہ قریش حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی اولاد میں تھے جو مکّہ معظمہ

میں پیدا ہوئے اور یہیں پلے بڑھے۔ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی
اولاد عرب کے تمام اطراف میں پھیلی ہوئی تھی لیکن قریش کا خاندان
جو ان کی اولاد میں نامور خاندان تھا وہ خاص مکۂ معظمہ ہی میں بیت اللہ
شریف کے ارد گرد آباد تھا، یہی کنبہ کعبہ کا متولی تھا۔

ہاشم

قریش کے قبیلہ میں بھی کئی بڑے بڑے خاندان تھے، ان
میں ایک خاندان بنی ہاشم کا تھا، یہ ہاشم کی اولاد تھے۔ ہاشم اپنے
خاندان میں بڑے معزز شخص تھے، بڑے ہی سخی، بہت ہی مہمان نواز،
بڑے ہی سیر چشم، حج کے زمانہ میں حاجیوں کی خدمت دل کھول کر
کرتے تھے، اور بہت ہی خاطر و تواضع سے پیش آتے تھے۔ حضرت
اسمٰعیل کی اولاد میں جس طرح قریش ممتاز تھے اسی طرح قریش کے
تمام افراد میں ہاشم ممتاز تھے۔

عبدالمطلب

ہاشم نے اپنی شادی مدینہ طیبہ میں بنو نجار کے خاندان میں
کی تھی، ان سے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام شیبہ رکھا، یہی شیبہ بعد میں
عبدالمطلب کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ اپنے باپ ہاشم کے جانشین

ہوئے۔ ہاشم کے بعد کعبہ کا سارا انتظام ان ہی کے سپرد ہوا۔ کعبہ کی
دیکھ بھال یہی کرتے تھے، اور دور سے آنے والے حاجیوں کے
کھانے، اور ٹھہرنے کا انتظام بھی کرتے تھے۔ ایک کام سب سے بڑا
انہوں نے یہ کیا کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے زمانہ کا وہ کنواں
جس کو زمزم کہتے ہیں، لوگوں کی لاپروائی سے پٹ گیا تھا، اس کو صاف
کرا کے لوگوں کے لئے عام کر دیا۔

یہ وہی کنواں ہے کہ جب لوگ حج کرنے جاتے ہیں تو اس کا
پانی پیتے ہیں اور اس کا تبرک اپنے عزیزوں اور دوستوں کے لئے
لاتے ہیں۔

عبدالمطلب کی اولاد

عبدالمطلب کے دس بیٹے تھے جن میں پانچ لڑکے چند
اسباب کی بناء پر بہت مشہور ہوئے، جیسے حضرت حمزہؓ، حضرت عباسؓ،
عبداللہ، ابوطالب، ابولہب۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ
اسلام لا کر مشہور ہوئے، عبداللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے والد ہونے
کی وجہ سے، ابوطالب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش اور محبت کی وجہ

سے اور ابولہب حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دشمنی کی وجہ سے بہت مشہور
ہوا۔

عبداللہ

عبداللہ اپنے باپ کے بہت محبوب اور پیارے بیٹے تھے،
ان کی شادی قبیلہ قریش کے ایک بڑے شریف گھرانہ میں ہوئی، ان
کی بیوی کا نام بی بی آمنہ تھا۔

شادی کے چند مہینوں کے بعد عبداللہ کا انتقال ہوگیا، لیکن
انتقال سے پہلے اپنی ایک نشانی جو رشک آفتاب اور رشک ماہتاب
بنی بی بی آمنہ کو دیتے گئے۔

دنیا کی صبح سعادت

سرورکائنات ﷺ کی ولادت

اندھیرے گھر میں اجالا

نہاں ابر ظلمت میں تھا ماہ انور
اندھیرا تھا فاراں کی چوٹیوں پر

واقعہ اصحاب فیل کے چالیس دن کے بعد ربیع الاول کی بارہ
تاریخ، دوشنبہ کے دن، صبح صادق کے وقت بی بی آمنہ کے بچہ پیدا ہوا،
مرحوم باپ کی نشانی عالم وجود میں آئی، عرب کی سوتی بستی جاگ اُٹھی،
اندھیری دنیا جگمگا گئی، اندھیری بستی میں آفتابِ رسالت جلوہ گر ہوا۔

اُدا خاک بطحانے کی وہ ودیعت
چلے آتے تھے جس کی دینے شہادت
ہوئی پہلوئے آمنہ سے ہویدا
دعائے خلیل اور نوید مسیحا

پیدائش کے ساتویں دن آپ ؐ کے دادا عبدالمطلب نے اپنے اس دُرِّ یتیم پوتے کی خوشی میں قریش کے بڑے بڑے لوگوں کی دعوت کی اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم نام رکھا۔

بی بی حلیمہ کے گھر

عرب کا دستور تھا کہ شریف اور دولت مند گھرانے کی عورتیں اپنے بچوں کو دایہ کے سپرد کردیتی تھیں تاکہ بچے گاؤں کی ہوا میں تندرست اور توانا ہوں وہ دائیاں بچوں کو اپنے گاؤں لے جاکر ان کی پرورش کرتی تھیں۔

اس سال بھی عرب کے دستور کے مطابق گاؤں گاؤں سے بہت سی دائیاں بچے لینے کی خاطر مکہ معظمہ آئیں، ان میں ایک دائی حلیمہ سعدیہ بھی تھیں۔

سب دائیوں نے جلدی جلدی خوش حال گھرانوں کے بچوں کو لے لیا۔ دائی حلیمہ کی سواری بہت مریل تھی، اس لئے وہ سب کے بعد پہونچیں۔ اب ان کو سوائے اس یتیم بچے کے اور کوئی نہ ملا، مجبوراً ان کو لیا اور چلیں، مگر دل میں بہت رنجیدہ کہ اس یتیم بچہ سے، ہم کو کیا فائدہ ہوگا، لیکن قدم قدم پر جو اللہ کی رحمتیں اور برکتیں اس بچہ کے طفیل

نازل ہوئیں تو اُن کی آنکھیں کھل گئیں، ان کے دل میں خوشی اور مسرت کی لہر دوڑ گئی، سارا رنج خوشی میں تبدیل ہوگیا۔

جب دو برس کی مدت پوری ہوگئی تو دائی حلیمہ اس مبارک بچہ کو لے کر مکہ معظمہ میں آئیں۔

مکہ معظمہ میں ان دنوں وبا پھیلی ہوئی تھی، اس لئے بی بی آمنہ نے پھر آپ کو واپس کردیا۔

بچپن میں لڑکے کھیل کود کے بہت شائق ہوتے ہیں لیکن آپ اس چھوٹی سی عمر میں بھی تمام لڑکوں سے بالکل الگ تھے، کھیل کود لڑائی جھگڑوں سے کوسوں دور، ہاں کام کاج میں سب سے آگے۔ اس چھوٹی سی عمر میں بہت سے چھوٹے موٹے کام بی بی حلیمہ کے کردیا کرتے تھے۔ اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ جنگل بکریاں چرانے جاتے تھے۔

شقِّ صدر

ایک دن آپ حسبِ دستور اپنے رضاعی بھائیوں کے ساتھ بکریاں چرا رہے تھے، ناگاہ دو سفید پوش آدمی آئے اور آپ ؐ کو اٹھا کر آپ ؐ کا سینہ مبارک چاک کردیا۔

آپ ؐ کے رضاعی بھائی دیکھ رہے تھے وہ دوڑے ہوئے ماں

کے پاس پہونچے، اور سارا واقعہ بیان کیا۔ دائی حلیمہ اور ان کے شوہر یہ واقعہ سن کر بدحواس ہو گئے، اور الٹے سیدھے جنگل بھاگے، وہاں پہنچ کر دیکھا کہ آپؐ کا چہرۂ مبارک زرد پڑ گیا ہے اور بہت ست بیٹھے ہیں۔

دائی حلیمہ گھبرا کر کہنے لگیں۔ ”میری جان تمہارا کیا حال ہے؟“

آپؐ نے پورا واقعہ سنایا، جس کو سن کر دائی حلیمہ بہت گھبرائیں اور آپؐ کو آپ کی والدہ کے پاس پہونچا آئیں۔

بی بی آمنہ کی وفات

اس وقت آپؐ کی عمر شریف چھ برس کی تھی، بی بی آمنہ آپؐ کو لے کر مدینہ طیبہ گئیں۔ اُمّ ایمن بھی ساتھ تھیں، بنونجار کا خاندان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ننہیال تھا، وہاں ایک مہینے رہیں جب واپس آنے لگیں مقام ابوا پر بی بی آمنہ کا انتقال ہو گیا۔

کیسا حسرت ناک منظر تھا، سفر کی حالت، نہ کوئی اپنا نہ پرایا، باپ کی شفقت سے تو واقف بھی نہ تھے، ماں کی شفقت سے بھی محروم ہو گئے۔ ہاں بی بی آمنہ کی وفادار لونڈی اُمّ ایمن ساتھ تھیں، انھوں نے آپؐ کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اور مکہ معظمہ واپس ہوئیں۔

دادا نے آپؐ کی پرورش اور نگرانی اپنے ہاتھ میں لی اور ایسی

محبت وشفقت کے ساتھ آپؐ کی پرورش کی کہ آپؐ ماں باپ کی محبت بھری گود بھول گئے۔

عبدالمطّلب کا انتقال

والدہ کی وفات کو دو ہی برس ہوئے تھے کہ غم نے پھر اپنا وار کیا۔

آپؐ آٹھ سال دو مہینے دس دن کے تھے کہ شفیق دادا کا بھی سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ انتقال سے پہلے اُن کو صرف یہ فکر تھی کہ اس یتیم بچہ کو کس کے سپرد کریں۔ کون اس کی کفالت کا ذمہ دار ہو سکتا ہے۔ یہ خیال رہ رہ کر انھیں بے چین کرتا تھا۔ آخر کو انھوں نے بہت غور وفکر کے بعد اپنے سب سے لائق اور ہونہار بیٹے ابوطالب کو بلایا اور آپؐ کی پرورش ان کے ذمہ کی، پھر ان کا انتقال ہو گیا۔

ابوطالب نے بہت ہی محبت اور شفقت کے ساتھ اپنے عزیز بھتیجے کی پرورش کی۔ بیٹے سے بڑھ کر آپؐ کا خیال کیا اور بہت ہی لاڈ وپیار، بڑے ناز ونعم کے ساتھ آپؐ کو پروان چڑھایا۔

تجارت

شام کا پہلا سفر

آپؐ کی عمر شریف بارہ سال کی تھی آپ کے چچا ابو طالب تجارت کا مال لے کر ملک شام جا رہے تھے، آپؐ نے بھی خواہش ظاہر کی، شفیق چچا عزیز بھتیجہ کی خواہش رد نہ کر سکے، ساتھ لے لیا ملک شام کے قریب پہونچ کر بصریٰ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا، پڑاؤ کے قریب بحیرہ نامی ایک راہب تھا، جو پرانی کتابوں کا بڑا عالم تھا، ان پرانی کتابوں یعنی توراۃ اور انجیل میں آخری نبی کی پوری نشانیاں لکھی ہوئی تھیں جو اس راہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اندر پائیں اور دیکھتے ہی پہچان لیا۔ ابو طالب سے پوچھا۔ ''یہ کس کا لڑکا ہے''۔؟

ابو طالب نے کہا۔ ''میرا بھتیجہ ہے''۔

راہب نے کہا ''تمہارا بھتیجہ دنیا کا وہی آخری نبی اور عظیم الشان پیغمبر ہے جس کی خبر توراۃ اور انجیل وغیر میں دی گئی ہے۔ دیکھو اس ملک کے یہودی اس نبی کے جانی دشمن ہیں، بہتر ہے تم اس کو یہیں سے واپس کردو، اگر انھوں نے دیکھ لیا اور پہچان گئے تو بس مار ہی ڈالیں گے''۔

ابو طالب نے یہ سن کر فوراً آپ کو مکہ معظمہ واپس کر دیا۔

مظلوموں کی حمایت

عرب کے لوگ بڑے لڑنے والے تھے، بات بات پر قتل وخون

کی نوبت آجاتی تھی، اور پھر برسوں قائم رہتی تھی۔ ان لڑائیوں کی وجہ سے کسی کو ایک دن بھی چین سے بیٹھنا نصیب نہ ہوتا تھا، صبح اگر بہتر ہے تو شام کی خیر نہیں، اور شام امن وعافیت سے گزر گئی تو صبح کی خیر نہیں، آئے دن یہی قصے ہوتے رہتے تھے، لاکھوں لڑکے یتیم ہو گئے سیکڑوں عورتیں بیوہ ہو گئیں، پھر مزا یہ کہ یتیموں کا مال بے دھڑک کھانا، کمزوروں کو ستانا، غریبوں پر ظلم وزیادتی کرنا ان کا شیوہ تھا۔ یہ حالت دیکھ کر حضور ﷺ کو صدمہ ہوتا تھا اور وہ اس فکر اور سوچ میں رہتے تھے کہ کون سی ایسی ترکیب کریں کہ یہ ظلم وزیادتی ختم ہو اور لوگ امن وامان کی زندگی گزاریں۔

عرب میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو طبیعت کے نیک اور مزاج کے اچھے تھے، انھوں نے آپس میں مشورہ کر کے ایک انجمن قائم کی جس کا مقصد صرف یہی تھا کہ ظلم وزیادتی کو روکا جائے۔ چنانچہ سب نے مل کر عہد کیا کہ آج سے ہم سب مظلوم کی حمایت کریں گے اور ظالم کو مکہ میں رہنے نہ دیں گے۔ اس معاہدے میں ہمارے آقا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم شریک ہوئے، اور آپ کیوں نہ شریک ہوتے، آپ کی تو خواہش ہی یہی تھی۔

کعبہ کی تعمیر اور ایک بڑے فتنہ کا فیصلہ

حرم شریف بہت نشیب میں تھا، پانی بھر جانے پر اس کو بہت

نقصان پہونچتا تھا، ایک مرتبہ ایسا سیلاب آیا کہ کعبہ اقدس کی دیواریں پھٹ گئیں، مکہ والوں نے ارادہ کیا کہ کعبہ کی عمارت کو پھر سے بنائیں، اور خوب اونچی اور مضبوط بنائیں، چنانچہ سب نے مل کر اس مقدس عمارت کو ازسرنو بنایا، اور جب حجر اسود رکھنے کا وقت آیا تو آپس میں جھگڑا شروع ہوگیا، ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ یہ سعادت مجھ کو نصیب ہو۔

حجر اسود ایک کالا پتھر ہے، اس کو عربی میں حجر اسود کہتے ہیں، عرب کے لوگ اس کو بہت مبارک سمجھتے تھے اور اب بھی اس کی عزت ہے، ہم سب مسلمان اس کی عزت کرتے ہیں، یہ مبارک پتھر جنت سے آیا تھا، ہمارے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو چوما اور آج بھی جب کوئی حج کرنے جاتا ہے تو اس کو چومتا ہے۔

غرض یہ کہ جب حجر اسود رکھنے کا وقت آیا تو بنی بات بگڑ گئی، تلواریں کھنچ گئیں اور قتل وخون کی نوبت آگئی، اور کیوں نہ آتی، جب گھوڑا آگے بڑھانے پر خون کی ندیاں بہہ جاتی تھیں تو یہ بڑی بات تھی، خیر جب معاملہ کسی طرح نہ سلجھا تو قوم کے ایک بڑے بوڑھے شخص نے یہ رائے دی کہ کل صبح کو جو شخص سب سے پہلے حرم شریف میں داخل ہو، اسی کو لوگ منصف بنائیں اور اس کے فیصلہ کو دل سے مانیں اس بات پر سب نے اتفاق کیا۔

اللہ کا کرنا دیکھو کہ دوسرے دن صبح جو سب سے پہلے کعبہ میں داخل ہوا وہ ہمارے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے، بس سب خوش ہوگئے اور بیک وقت بول اُٹھے کہ امین وصادق آگیا، ہم سب اس کے فیصلہ پر راضی ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کیا کہ ایک چادر پھیلا کر حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے رکھ دیا، پھر ہر قبیلہ کے سردار سے چادر کے کونے پکڑوا کر اس مقدس پتھر کو مقدس مقام تک لے گئے، اور وہاں پہونچ کر اپنے دست مبارک سے حجر اسود کو اس کی جگہ رکھ دیا، اس ترکیب سے آپؐ نے ایک بڑے زبردست فتنہ کو جس میں تلواریں چل جانے اور خون کی ندیاں بہہ جانے کا یقین تھا، ختم کردیا۔

شام کا دوسرا سفر

ابھی آپؐ نبوت کے درجہ کو نہیں پہونچے تھے لیکن بچپن ہی سے آپؐ میں وہ تمام خوبیاں موجود تھیں جو ایک نبی میں ہونا چاہئیں۔

بچپن ہی سے آپؐ تمام بری باتوں کو ناپسند فرماتے تھے، کھیل کود سے نفرت تھی، ہمیشہ نیک کاموں کو پسند فرماتے تھے، تجارت ہی کو آپؐ نے اپنا ذریعہ معاش بنایا، اور ایسی سچائی اور امانت داری سے آپؐ نے کام کیا کہ لوگ آپؐ کو صادق اور امین کہنے لگے۔

قریش کے لوگ آپؐ کی سچائی اور امانت داری پر ایسا بھروسہ کرتے تھے کہ بے تامل اپنا مال آپؐ کے سپرد کردیتے تھے اور لوگ اپنا روپیہ وغیرہ بھی امانت رکھوادیتے تھے۔

عرب کا قاعدہ تھا کہ امیر لوگ اپنا روپیہ کسی محنتی تجارت پیشہ کو دیتے تھے، وہ شخص اس سے تجارت کرتا تھا، پھر جو نفع ہوتا تھا تو دونوں آپس میں بانٹ لیتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی طریقہ پر تجارت شروع کی۔

مکہ معظمہ میں ایک بی بی تھیں جن کا نام خدیجہؓ تھا، یہ بی بی بڑی مال دار تھیں، ان کا تجارتی کاروبار خوب بڑھا ہوا تھا، شوہر کا انتقال ہوچکا تھا، اس لئے ان کا سارا کاروبار دوسروں کے ہاتھوں میں تھا، نوکروں کے ذریعہ اپنا کام سنبھالے ہوئے تھیں۔

مکہ معظمہ میں آپؐ کی سچائی اور امانت داری کی شہرت تھی، گھر گھر اس کا چرچا تھا، بی بی خدیجہؓ کے کانوں میں بھی یہ آواز پڑچکی تھی، بس انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپؐ میرا مال لے کر تجارت کیجئے، جو میں لوگوں کو دیتی ہوں اس کا دونا آپؐ کو دوں گی، آپؐ نے اس کو منظور فرمالیا، اور ان کا مال لے کر شام کے ملک روانہ ہوگئے، بی بی خدیجہؓ نے اپنے غلام میسرہ کو آپؐ کے ساتھ کردیا۔

اس تجارت میں بی بی خدیجہؓ کو بہت نفع ہوا، وہ آپؐ کی ایمان داری سے بہت خوش ہوئیں، اس سفر میں بھی ایک راہب نسطور نامی نے آپؐ کے غلام کو آپؐ کے نبی آخر الزماں ہونے کی خبر دی تھی، میسرہ نے سفر کے سارے واقعات اور خیر و برکت کے تمام آثار بی بی خدیجہؓ سے بیان کئے، بی بی خدیجہؓ کے دل میں آپؐ کی سچائی اور امانت داری نے گھر کرہی لیا تھا، اب وہ آپؐ کی خوبیوں کو سن سن کر دل وجان سے بہت متاثر ہوئیں۔

نکاح

کچھ عرصہ کے بعد بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا۔

بی بی خدیجہؓ بہت شریف گھرانہ کی تھیں، ان کا نسب حضورؐ کے نسب سے ملتا ہے ان کے باپ کا نام خویلد اور ماں کا نام فاطمہ تھا، یہ جہاں بہت مالدار تھیں وہاں سمجھ دار اور عقل مند بھی تھیں، مکہ کا ہر عالی نسب ان سے نکاح کا خواہش مند تھا، مگر چونکہ ان کو حضورؐ سے سچی محبت اور عقیدت پیدا ہوگئی تھی، اس لئے انہوں نے سب پر حضورؐ کو ہی ترجیح دی، سب کے پیغام رد کردیئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خود

پیغام دیا اور آپؐ نے بھی اس پیغام کو خوشی سے منظور فرمالیا، حالانکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ پندرہ برس بڑی تھیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر شریف پچیس سال کی تھی اور وہ چالیس سال کی تھیں، پھر کچھ دنوں کے بعد بڑے سادے طریقہ سے نکاح کی رسم ادا ہوئی، ابو طالب اور حضرت حمزہؓ اور حضرت عباسؓ اور خاندان کے معزز لوگ حضرت خدیجہؓ کے مکان پر گئے، ابو طالب نے خطبہ پڑھایا، اور مہر پانچ سو درہم مقرر ہوا۔

نبوت کی علامتیں

(۱) آپؐ کی پیدائش سے پہلے بی بی آمنہ نے ایک نور دیکھا تھا جو مشرق سے مغرب تک پھیل گیا تھا، اور جس سے زمین و آسمان اُجاگر ہوگئے تھے۔

(۲) تین چار سال کی عمر میں دو فرشتوں نے آپؐ کا سینہ مبارک چاک کرکے نور بھر دیا تھا۔

(۳) جب آپؐ باہر نکلتے تو ابر آپؐ پر سایہ کرتا اور پیڑ و پتھر سے آواز آتی یا نبی اللہ سلامٌ علیك"

(۴) آپؐ کے آخری نبی ہونے کی بشارت توراۃ، انجیل اور

نبیوں سے لوگوں کو معلوم ہوچکی تھی اور سب کو اس آخری نبی کا انتظار تھا۔

(۵) آپؐ کو بچپن سے کسی نے برہنہ نہیں دیکھا، جب آپ گھر سے دور ہوتے اور پائخانہ، پیشاب کی حاجت ہوتی، اور آپ کسی جگہ بیٹھ کر رفع حاجت فرماتے تو دو درخت اوٹ کر لیتے تھے، اللہ اکبر! کیا شان تھی ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی، ہماری جانیں آپؐ پر فدا ہوں۔

نبوت ورسالت

نبوت سے پہلے آپؐ سچے سچے خواب دیکھتے تھے جن کی تعبیر صبح کو روز روشن کی طرح ظاہر ہوجاتی تھی، پھر آپؐ تنہائی پسند کرنے لگے، کئی کئی دن کا کھانا پانی لے کر ایک پہاڑ کے غار میں جس کا نام حرا تھا، تشریف لے جاتے تھے اور وہاں تنہائی میں بیٹھ کر اللہ کی عبادت فرماتے تھے، اور ساری دنیا خاص کر عرب کی گمراہی کو سوچ سوچ کر دل ہی دل میں کڑھتے تھے، اسی طرح بہت دن گزر گئے اور بہت راتیں بسر ہوگئیں۔

یہ چالیسواں سال لطف خدا سے
کیا چاند نے کھیتا غارِ حرا سے

عمر کے چالیسویں سال بارہ ربیع الاول کو دوشنبہ کے دن طلوع فجر کے وقت جب کہ آپ غارِ حرا میں تشریف فرما تھے، اللہ کے قاصد حضرت جبرئیل علیہ السلام اللہ کا کلام لے کر آئے، جس کو وحی کہتے ہیں۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپؐ کو بشارت دی کہ آپؐ اللہ کے رسول ہیں، پھر کہا، پڑھیے!''

عرب میں اس وقت پڑھنے پڑھانے کا رواج کم تھا، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی اُمّی تھے، یعنی پڑھنا نہیں جانتے تھے، پس آپؐ نے فرمایا، میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔''

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آپؐ کو سینہ سے لگا کر بہت زور سے دبایا، اور کہا پڑھیے۔''

آپؐ نے پھر فرمایا، مجھے پڑھنا نہیں آتا۔''

حضرت جبرئیل علیہ السلام نے تین مرتبہ دبایا اور چھوڑا اور ہر بار یہی کہتے تھے کہ پڑھیے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم برابر یہی فرماتے رہے کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔

آخر جبرئیل علیہ السلام نے کہا ''پڑھیے۔''

اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ٥ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ٥ اِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ

الَّذِيْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ٥ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ٥ (سورہ علق)

اپنے اس خدا کا نام پڑھیے جس نے مخلوق کو پیدا کیا اور انسان کو پیدا کیا خون کے لوتھڑے سے، پڑھیے آپؐ کا رب بڑا ہی بزرگی والا ہے جس نے قلم کے ذریعہ علم سکھایا اور انسان کو وہ بتایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔

اس وحی کا نازل ہونا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر رسالت کا بوجھ پڑ گیا، اور آپؐ خوف و ہیبت سے کانپ اُٹھے، اور ہے بھی یہ بات کہ سیکڑوں برس کے گمراہوں کو راہ پر لگانا، اور سیکڑوں بتوں کے پجاریوں کو اللہ کا خالص بندہ بنانا آسان کام نہیں ہے، بس آپؐ گھبرائے ہوئے گھر تشریف لائے اور اپنی سچی ہمدرد بیوی سے تمام واقعہ بیان کیا، بی بی خدیجہؓ نے عرض کیا کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ پریشان کیوں ہوتے ہیں، آپؐ تو غریبوں کی ہمدردی کرتے ہیں، بیکسوں کی مدد فرماتے ہیں، مصیبت زدوں کی غم خواری کرتے ہیں، اللہ آپؐ کو رسوانہ کرے گا، پھر وہ آپؐ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔

ورقہ بن نوفل اپنے دین ومذہب کے بڑے عالم تھے توراۃ،
انجیل ان کے نوک زبان تھی، یہ اب بہت بوڑھے اور نابینا ہوگئے تھے۔

بی بی خدیجہ رضی اللہ عنہا نے کہا، اے بھائی ذرا اپنے بھتیجے کا
حال تو سنو۔''

ورقہ نے کہا، اے بھتیجہ کیا بات ہے، تم نے کیا دیکھا، کیا سنا،
اور تم کو کیا پیش آیا؟''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ حرا کا تمام ماجرا کہہ سنایا۔

ورقہ نے کہا، ارے یہ تو وہی فرشتہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام
کے پاس آیا کرتا تھا، کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا، جب تمہاری
قوم تم کو نکال دے گی۔''

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، کیا یہ بھی ہوگا؟

ورقہ نے کہا، ہاں !اور یہ کچھ تم پر موقوف نہیں، ہر نبی کے
ساتھ یہی معاملہ ہوا ہے۔''

پھر کچھ ہی عرصہ کے بعد ورقہ کا انتقال ہوگیا۔

تبلیغ اسلام کا آغاز

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا
مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیت میں غیروں کے کام آنے والا
وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ،ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ
خطا کار سے در گزر کرنے والا
بداندیش کے دل میں گھر کرنے والا
مفاسد کا زیر وزبر کرنے والا
قبائل کا شیر و شکر کرنے والا
اتر کر حرا سے سوئے قوم آیا
اور اِک نسخۂ کیمیا ساتھ لایا
مِس خام کو جس نے کندن بنایا
کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا

عرب جس پہ قرنوں سے تھا جہل چھایا
پلٹ دی بس اک آن میں اس کی کایا
رہا ڈر نہ بیڑے کو موج بلا کا
اِدھر سے اُدھر پھر گیا رخ ہوا کا

(خواجہ الطاف حسین حالؔی)

مکہ میں بلکہ کل عرب میں صدیوں سے کفر وشرک کی وبا پھیلی ہوئی تھی، اور ہر شخص اس میں مبتلا تھا، اب ان کو ایک دم راہ راست پر لگانا اور کھلم کھلا پیغام حق پہونچانا بڑا مشکل کام تھا، اس لئے آپ ؐ نے مخفی طور پر جس میں صلاحیت دیکھی، اس کو آہستہ آہستہ اسلام کی دعوت دی۔

سب سے پہلے آپ ؐ کی شریک زندگی، رفیقہ حیات، سچی ہمدرد، جاں نثار بیوی نے آپ ؐ کی آواز پر لبیک کہا، اور سچے دل سے اسلام قبول کیا۔

مردوں میں آپ ؐ کے بچپن کے دوست، تجارت کے ساتھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ، سنتے ہی آمنا وصدّقنا بول اٹھے اور ایمان لے آئے۔

لڑکوں میں آپ ؐ کے محبوب چچا ابو طالب کے بیٹے علی مرتضیٰ ؓ ایمان کی دولت سے مالا مال ہوئے۔

خادموں میں حضرت زید بن حارثہ ؓ فوراً ایمان سے مشرف ہوئے، پھر بی بی آمنہ کی وفادار باندی اُمّ ایمن ؓ نے اسلام قبول کیا۔

رفتہ رفتہ، دھیرے دھیرے اسلام کی آواز لوگوں کے کانوں میں پڑنے لگی اور صدائے حق اُٹھ اُٹھ کر فضا میں گونجنے لگی، لوگ اس نئی آواز سے کچھ کچھ مانوس ہونے لگے، اور روشن دل والے اس کو قبول بھی کرنے لگے، لیکن جن کے دلوں میں کجی تھی وہ اس آواز پر غصّہ کے مارے بے تاب ہوگئے اور بہت ہی تلملائے، بات یہ ہے کہ ان کے دلوں میں بتوں کی محبت ایسی رچ بس گئی تھی کہ وہ اس کے خلاف سن ہی نہ سکتے تھے۔

تبلیغ دھیرے دھیرے اپنا کام کر رہی تھی، لوگ چپکے چپکے مسلمان ہو رہے تھے، اللہ تعالیٰ کا فرمان نازل ہوا۔

يَآ اَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝
وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ (سورہ مدثر)

اے کپڑے میں لپٹنے والے اٹھو (پھر کافروں کو) ڈراؤ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو، اور اپنے کپڑے پاک رکھو اور بتوں سے الگ رہو۔

اس فرمان کے نازل ہونے کے بعد آپ ؐ پر فرض ہوگیا کہ

آپؐ اس کام میں پوری کوشش کریں، خواہ کسی کو برا لگے یا بھلا، چنانچہ آپؐ نے اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایسے لوگوں کو جو نیک فطرت اور سمجھ دار تھے چپکے چپکے حق کا پیغام سنانا شروع کیا۔

حضرت ابو بکرؓ کے سمجھانے بجھانے سے حضرت عثمانؓ بن عفان، حضرت زبیرؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبد الرحمٰنؓ بن عوف اور حضرت سعدؓ بن ابی وقاص مسلمان ہوئے۔

کئی غلام بھی مسلمان ہوئے مثلاً حضرت عمارؓ بن یاسر، حضرت خبابؓ بن ارت، حضرت صہیبؓ رومی، حضرت بلالؓ۔

اب مکہ میں روز بروز کوئی نہ کوئی ضرور مسلمان ہوتا تھا۔

تین سال تک برابر خفیہ طور سے تبلیغ کا کام ہوتا رہا اور لوگ دھیرے دھیرے اسلام کے حلقہ میں داخل ہوتے رہے، تقریباً تیس پینتیس آدمی اسلام کی دولت سے مالا مال ہو چکے تھے لیکن کفار کے ڈر سے پہاڑوں اور غاروں میں چھپ چھپ کر نمازیں پڑھتے تھے۔

کعبہ کے قریب ایک گلی میں حضرت زید بن ارقمؓ کا گھر تھا، یہ سچے اور پکے مسلمان تھے، ان ہی کے گھر میں حضور ﷺ اکثر تشریف لے جاتے تھے، اور تمام مسلمان یہیں آکر حضور ﷺ کی صحبت سے فیض یاب ہوتے اور یہیں لوگ جمع ہو کر اپنے معبود کی عبادت کرتے تھے۔

علانیہ تبلیغ

تین برس کے بعد اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ اب علانیہ کھلم کھلا اللہ کا نام بلند کرو، اسلام کی دعوت دو، بتوں کی عبادت سے روکو، اور مشرکین سے ذرا نہ ڈرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ فرمان عالی سنا تو پھر علی الاعلان پیغام حق سنانے کا فیصلہ فرمالیا، اور صفا پہاڑ پر چڑھ کر قریشِ مکہ کے بڑے بڑے لوگوں کو آواز دی۔

قریشِ مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بات پر کان نہ دھرتے تھے، پرلے درجہ کے مخالف تھے، لیکن آپؐ کو راست باز صادق اور امین ضرور سمجھتے تھے، بس ایک آواز پر ساری قوم جمع ہوگئی۔

آپؐ نے فرمایا۔ ”اے لوگو! اگر میں تم سے یہ کہوں کہ اس صفا پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر آرہا ہے جو عنقریب تم پر حملہ کرنے والا ہے تو کیا تم کو اس کا یقین آجائے گا۔“

وہ بولے، بالکل، اس لئے کہ ہم آپ کو بچپن سے صادق اور امین سمجھتے ہیں، اور ہمیشہ آپ کو سچ بولتے ہی سنا۔“

آپؐ نے فرمایا ”پھر جب یہی بات ہے تو جو میں اس وقت

کہوں وہ بھی مان لو،سنو!میں تم سے کہتا ہوں کہ اللہ سے ڈرو،اور اس
دن سے ڈرو،جو عنقریب آنے والا ہے،دیکھو بتوں کی عبادت چھوڑ دو،
صرف ایک اللہ کی عبادت کرو،اور تمام برے اعمال سے توبہ کرو۔"

مکہ والے اس بات پر بہت بگڑے اور بہت ہی غصہ ہوئے
خاص کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا ابولہب بہت برہم ہوا۔

اللہ کی قدرت ہے کہ ایک چچا ابوطالب تھے کہ جو حضور ﷺ پر
فدا تھے اور ایک چچا ابولہب تھا،جو جان کا دشمن اور خون کا پیاسا تھا،
حالانکہ وہ دونوں ہی کافر تھے۔

غرض یہ کہ ابولہب سخت غصہ کی حالت میں یہ کہتا ہوا اٹھ کھڑا
ہوا کہ یہی سنانے کے لئے تم نے بلایا تھا اور اس کے ساتھ ہی قریش
کے سارے سردار بھی خفا ہو کر چل دیئے۔

ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سرداروں کی خفگی کی
کوئی پروانہ کی،برابر بت پرستی کی برائی کرتے رہے اور لوگوں کو دین
حق کی دعوت دیتے رہے۔

جب قریش نے دیکھا کہ آپ کسی طرح باز نہیں آتے تو پھر
آپ کو طرح طرح سے ستانے لگے،راستہ میں کانٹے بچھا دیتے تھے،
آپ نماز پڑھتے تو آپ کا مذاق اڑاتے،کعبہ کا طواف کرتے تو

پھبتیاں کستے اور لوگوں میں آپ کو شاعر،جادوگر اور دیوانہ مشہور کرتے
تھے،اور جو نیا آدمی آتا تھا اس سے فوراً جا کر کہہ دیتے تھے کہ ہمارے
یہاں ایک شخص اپنے باپ دادا کے دین سے پھر گیا ہے،اس سے نہ ملنا۔

جب اس کا بھی نتیجہ کچھ نہ ہوا تو سب مل کر ابوطالب کے
پاس آئے اور کہا،اپنے بھتیجہ کو منع کرو کہ اس نئی آواز کو بند کریں ورنہ
اچھا نہ ہوگا،غضب ہے کہ ہمارے بتوں کو برا کہیں،ہمارے باپ دادا
کو گمراہ بتائیں اور ہم کو نادان ٹھہرائیں،ہم کس دل سے برداشت کریں
اور کس کان سے سنیں،بس اب ہم میں تحمل کا یارا نہیں،اب دو باتوں میں
ایک بات ہے یا تو تم ان کی حمایت سے باز آؤ،اور نہیں تو پھر میدان
میں نکل آؤ کہ ہم دونوں میں ایک کا فیصلہ ہو جائے۔"

ابوطالب یہ سن کر بہت گھبرائے اور سمجھ گئے کہ پانی اب سر سے
اونچا ہو گیا،اور معاملہ حد کو پہونچ چکا،پھر گھبرا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو
بلوایا اور کہا کہ میرے بڑھاپے پر رحم کرو،مجھ پر اتنا بوجھ نہ رکھو کہ میں
اُٹھا نہ سکوں،اب تو تم ان کے بتوں کی برائی سے باز آ جاؤ۔

چاہنے والے شفیق و رفیق چچا کے منہ سے یہ باتیں سن کر
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے،فرمایا"چچا جان!
خدا کی قسم اگر یہ کفار میرے ایک ہاتھ پر سورج اور ایک ہاتھ پر چاند

رکھ دیں تب بھی میں اس آواز کو بند نہیں کر سکتا اور پیغام حق سنانے سے باز نہیں آ سکتا۔"

شفیق چچا پر آپ ﷺ کی ان درد بھری باتوں کا بڑا اثر ہوا کہنے لگے، میری جان تم پریشان نہ ہو، جو کرتے ہو کیے جاؤ، جب تک میرے جسم میں جان ہے مجال نہیں کہ تم کو کوئی صدمہ پہونچ جائے۔"

چچا کا محبت میں ڈوبا ہوا یہ جواب سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو بڑی ڈھارس ہوئی اور آپ اپنا کام اور بھی تیزی سے کرنے لگے۔

جب قریش نے دیکھا کہ دھمکی سے بھی کام نہ نکلا تو اب پھسلانے کی سوجھی سب نے آپس میں مشورہ کر کے عتبہ نامی ایک سردار کو سمجھا بجھا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس روانہ کیا۔

عتبہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہونچ کر کہا، محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس لڑائی جھگڑے سے کیا فائدہ، جو مطلب ہو وہ کہو، اگر تم مکہ پر حکومت کرنا چاہتے ہو تو حاضر ہے، ہم سب تم کو اپنا سردار مان لیں گے، اگر کسی مالدار اور باعزت گھرانہ میں شادی کرنا چاہتے ہو تو یہ بھی ہو سکتا ہے، اور اگر دولت چاہتے ہو تو ہم اس کے لئے بھی تیار ہیں مگر تم اس کام سے باز آ جاؤ۔"

عتبہ نے خیال کیا کہ آج جو چال ہم نے چلی ہے اس میں

کامیابی یقینی ہے، محمد (ﷺ) ان تین باتوں میں سے کوئی بات تو لالچ میں آ کر ضرور ہی مان لیں گے اور ہم سے صلح کر لیں گے، لیکن اس نے آپ کی زبان مبارک سے وہ الفاظ سنے جس کی اسے قطعی اُمید نہ تھی۔

آپ ؐ نے قرآن کریم کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں جن کو سن کر اس کا دل دہل گیا، اور وہ الٹے پاؤں واپس ہوا قریش نے دور ہی سے اس کے چہرے کا اتار چڑھاؤ دیکھ لیا، منہ فق، بدحواس، آتے ہی کہا۔

"بھائیو! محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایسا کلام پڑھا ہے جو نہ شاعری ہے، نہ جادوگری ہے، میری رائے تو یہی ہے کہ تم ان کا پیچھا چھوڑ دو، اگر وہ غالب آ گئے تو ہماری عزت ہے اور اگر مغلوب ہو گئے تو تمہارا مقصد پورا ہو جائے گا۔"

قریش کے سرداروں نے اس کی بات نہ مانی، اپنی بات پر قائم رہے۔

اب آپ ؐ یہ کرنے لگے کہ ایک ایک آدمی کے پاس جاتے تھے اور اس کو نرمی اور محبت سے سمجھاتے تھے، اچھے دل والے اور نیک فطرت لوگ تو اس کو قبول کر لیتے تھے، اور بعض خاموشی سے سن لیتے تھے، نہ انکار نہ اقرار لیکن شریر اور فسادی لوگ تو اس نصیحت پر آپے سے باہر ہو جاتے تھے اور جو نہ کرنا چاہئے وہ کر گزرتے تھے مگر اس

حالت میں بھی کئی آدمی مسلمان ہوئے اور بعضوں کے مسلمان ہونے کا قصہ بہت پرلطف ہے۔

حضرت حمزہؓ کا ایمان لانا

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آپؐ کے چچا تھے اور رضاعی بھائی بھی تھے، عمر میں آپؐ سے کچھ ہی بڑے تھے، یہ آپؐ سے بہت محبت کرتے تھے۔

حضرت حمزہؓ کا سارا وقت سیر وشکار میں صرف ہوتا تھا۔ اور یہ بڑے پہلوان آدمی تھے۔

ایک دن شکار کے لئے گئے ہوئے تھے، ابوجہل قبیلہ قریش کا سردار، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا جانی دشمن تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہونچانے میں کوشاں رہتا تھا بس اس نے اپنے دستور کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت کچھ برا بھلا کہا، حضرت حمزہؓ کی باندی یہ باتیں سن رہی تھی شام کو جب حضرت حمزہؓ شکار سے واپس ہوئے تو باندی نے جو کچھ سنا تھا، ان سے کہہ سنایا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر آپے سے باہر ہوگئے، فوراً قریش کے مجمع میں، جہاں سب سردار پڑا جمائے بیٹھے تھے، پہونچے

اور ابوجہل کے پاس آکر اس کے سر پر کمان دے ماری اور کہا "لے اب میں مسلمان ہوگیا، اب جو تیرا جی چاہے کر یہ کہہ کر گھر تشریف لائے اور مسلمان ہوگئے۔

حضرت عمرؓ بن الخطاب کا ایمان لانا

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ دعا فرمائی کہ اے اللہ عمر اور ابوجہل میں سے کسی کو اسلام کی توفیق عطا فرما۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قسمت میں ایمان کی سعادت لکھی تھی، سو ان کے حق میں یہ دعا قبول ہوگئی حضرت عمر رضی اللہ عنہ بڑے غصہ ور، بہت سخت مزاج اور بڑے بہادر تھے۔

یہ اسلام اور مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے۔

ایک مرتبہ ان کے دل میں آیا کہ آج جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دوں، تا کہ کفر واسلام کا جھگڑا ہی مٹ جائے، یہ ارادہ کر کے تلوار اٹھائی اور گھر سے روانہ ہوگئے۔

راستہ میں ایک مسلمان سے مڈبھیڑ ہوگئی، پوچھا۔

"عمرؓ کہاں چلے؟"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا "آج محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

کو قتل کر کے دل کی لگی بجھانے جا رہا ہوں۔“

وہ بولے ”پہلے اپنی بہن اور بہنوئی کی خبر لو، پھر دوسرا ارادہ کرنا۔“

حضرت عمر رضی اللہ عنہ یہ سن کر غصہ میں بے تاب ہو گئے اور سیدھے بہن بہنوئی کے گھر پہونچے، وہاں قرآن شریف پڑھنے کی آواز سنی تو اور بھی غصہ آیا، بالکل بے قابو ہو گئے اور تو کچھ نہ کر سکے بس پٹائی شروع کر دی، خوب جی کھول کر بہن بہنوئی کو مارا، جب غصہ کچھ ٹھنڈا ہوا اور ادھر بہن بہنوئی کو دیکھا کہ وہ اسی طرح اسلام کے نشہ میں مست ہیں تو کچھ ندامت ہوئی اور کچھ اثر ہوا، کہنے لگے، جو کچھ تم پڑھ رہے تھے ہم کو بھی دکھاؤ۔“

بہن نے وہ اوراق لا کر سامنے رکھ دیئے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کو پڑھتے جاتے تھے اور دل خوف سے کانپتا جاتا تھا، آخر پکار اٹھے:

”لا اِلٰہ اِلّا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ“ پھر تلوار نیام میں کی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کا راستہ لیا۔

اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کے گھر میں تشریف فرما تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ سیدھے وہاں

پہونچے، دروازے بند تھے، انہوں نے آواز دی، مسلمان حضرت عمرؓ کو تلوار لئے دیکھ کر ڈر گئے۔

حضرت حمزہؓ نے کہا ”آنے دو، اگر خلوص و محبت سے آیا ہے تو کیا کہنا، ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا فیصلہ کر دوں گا۔“

دروازہ کھلا، حضرت عمرؓ داخل ہوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر ان کا دامن پکڑ لیا اور فرمایا ”عمر! کہو کیا ارادہ ہے؟“

حضرت عمرؓ نے کہا ”حضورؐ ایمان کا طالب ہوں، دست مبارک پر ایمان کی بیعت کرنے آیا ہوں“ یہ سننا تھا کہ مسلمان خوشی میں آپے سے باہر ہو گئے اور اللہ اکبر کا اس زور سے نعرہ مارا کہ مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں۔

قریشِ مکہ کو حضرت عمرؓ کے ایمان لانے کا علم ہوا تو ان کی کمر ٹوٹ گئی، ان کے ارادے پست ہو گئے، ان کے ہاتھوں کے طوطے اُڑ گئے، اب ان کے بنائے کچھ نہ بنی، لیکن حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے مسلمانوں کا بڑا کام نکلا، ان کی ہمت بڑھ گئی، ان کے حوصلے بلند ہو گئے، ان کے خیالات اونچے ہو گئے، اب تک تو وہ سب کافروں کے ڈر سے کعبہ میں نماز نہیں پڑھتے تھے، لیکن اب وہ علانیہ

کعبہ کے صحن میں نماز پڑھنے لگے۔

دن پر دن ترقی

مکہ میں روز بروز اسلام پھیلتا جاتا تھا اور صحابیوں کی تعداد بڑھتی جاتی تھی۔

صحابی ان کو کہتے ہیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ پایا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اُٹھائی۔

اب تک تو صرف مکہ کے اطراف ہی میں اسلام کا چرچا تھا، لیکن دھیرے دھیرے اسلام کی آواز مکہ سے نکل کر دور دور جانے لگی اور لوگ دور دور سے آکر اسلام قبول کرنے لگے۔

قریش نے دیکھا کہ اسلام کی برابر ترقی ہو رہی ہے، مسلمانوں کی تعداد روز بروز بڑھتی جاتی ہے اور لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے تابع ہوتے جا رہے ہیں تو وہ بے آگ پانی جلنے لگے، اور وہ سمجھ گئے کہ یہ اسلام کا بے پناہ سیلاب ہمارے روکے نہ رُکے گا تو پھر انہوں نے ظلم کی ٹھانی اور کھلم کھلا مسلمانوں کے درپئے آزار ہوگئے اور ان گنتی کے مسلمانوں کو ان گنت تکلیف دینے کے مشورے کرنے لگے۔

کافروں نے ایک کمیٹی بنائی اور اپنا جتھہ قائم کیا، بس وہاں

رات دن یہی مشورے ہوتے تھے کہ مسلمانوں کو کس طرح کی تکلیف پہونچائیں کہ وہ اسلام سے برگشتہ ہو جائیں، کون سا دکھ پہونچائیں اور کیسی چوٹ دیں کہ وہ اسلام سے متنفر ہو جائیں۔

کافر یہ نہ سمجھتے تھے کہ یہ مسلمان اللہ والے ہیں، یہ اللہ کی محبت میں ایسے سرشار ہیں اور دین ان کے دل میں ایسا رچ بس گیا ہے کہ زمانے کی کوئی قوت اس کو نکال نہیں سکتی۔

اب کافروں کا یہی کام تھا کہ جس مسلمان پر بس چلتا، اس کو بے پناہ ستاتے تھے، دوپہر کو عرب کی ریتیلی اور تپتی زمین پر غریب مسلمانوں کو لٹا کر سینہ پر بھاری پتھر رکھ دیتے تھے کسی کے بدن پر گرم گرم بالو بچھا دیتے تھے، کسی کو لوہا گرم کر کے اس سے داغ دیتے تھے، کسی کو انگارے پر لٹاتے تھے کسی کو چٹائی میں لپیٹ کر اندر دھواں کرتے تھے کہ دم گھٹ جائے، کسی کو مار مار کر اَدھ موا کر دیتے تھے۔

جو غلام مسلمان ہوگئے تھے، ان کے مالک ان کو ایسی سخت سزائیں دیتے تھے کہ الامان الحفیظ۔

بعض مسلمانوں نے ان پر ترس کھا کر اللہ واسطے ان کو خرید کر آزاد کیا تو ان کی مصیبت کٹی۔

غریب مسلمانوں کے علاوہ مالدار مسلمان بھی بڑی سختی میں

تھے، ان کے رشتہ دار ان پر طرح طرح کے ظلم کرتے تھے، طرح طرح سے ان کو ستاتے تھے۔

یہ سارے مسلمان اللہ کے لئے ہر سختی کو برداشت کرتے تھے اور جب بہت تنگ آجاتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر اپنے دکھ درد کی شکایت کرتے تھے اور دعا کی درخواست کرتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو تسلی دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ دیکھو ہر نبی کی امت کے ساتھ یہی معاملات ہوئے ہیں، تم سے زیادہ سختیاں ہوئی ہیں، کسی کو آرے سے چیرا گیا، کسی کے سر کے گوشت کو لوہے کی کنگھی سے چھیلا گیا، کسی کے ہاتھ، پاؤں کاٹے گئے، کسی کو سولی دی گئی، مگر ان اللہ کے بندوں نے اللہ کے لئے ہر تکلیف کو برداشت کیا اور دین حق پر ثابت قدم رہے۔

گھبراؤ نہیں، یہ دن زیادہ دن تک رہنے والے نہیں ایک دن ایسا آئے گا، کہ اللہ تعالیٰ تم کو ان پر غالب کردے گا۔

حبشہ کی پہلی ہجرت

جب مسلمانوں پر ہر دن نئی آفت آنے لگی، ہر روز نت نئے مظالم ہونے لگے، اور جب ظلم وستم کی حد ہوگئی تو حضور اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا، تم میں سے جس کا جی چاہے، وہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جائے، یہ ارشاد عالی سن کر نبوت کے پانچویں سال گیارہ مرد اور چار عورتیں اپنا عزیز اور مقدس وطن چھوڑ کر حبشہ روانہ ہوگئے، اس قافلہ میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور آپؓ کی بیوی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی بھی تھیں۔

حبشہ کا بادشاہ عیسائی تھا، یہ بادشاہ بہت نیک دل تھا، اس نے مسلمانوں کو بہت آرام سے رکھا۔

قریش کا وفد نجاشی شاہ حبش کے دربار میں

جب قریش کو اس کی خبر لگی تو وہ آپے سے باہر ہوگئے اور فوراً کافروں کا ایک وفد حبش کے بادشاہ کے دربار میں پہونچا اور کہا:

"اے بادشاہ! یہ لوگ ہمارے مجرم ہیں، ان کو ہمارے حوالے کردیجئے، اور بادشاہ کو طیش دلانے اور ان سے بیزار کرنے کو یہ جملہ کسا کہ "یہ لوگ آپ کے مذہب کو برا کہتے ہیں اور آپ کے نبیؑ کو گالی دیتے ہیں۔"

بادشاہ بہت سمجھ دار اور رحم دل تھا اور بڑا نیک فطرت تھا، اس نے یک طرفہ بات پر فیصلہ نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کو بلا کر معاملہ کی

حقیقت دریافت کی۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچیرے بھائی، اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سگے بھائی تھے، آگے بڑھے اور نہایت ہی فصاحت اور بلاغت کے ساتھ پُر اثر انداز میں اپنی حالت اور اسلام کی حقیقت بیان کی۔

کہا۔ ”اے بادشاہ! ہم جاہل تھے، نادان تھے اور بت پرستی ہمارا شیوہ تھا، حرام کھاتے تھے، بدکاری کرتے تھے، پڑوسیوں کی دل آزاری کرتے تھے، کمزوروں پر ترس نہ کھاتے تھے، بے کسوں پر رحم نہ کرتے تھے اور قطع رحمی عہد شکنی، ظلم وستم ہمارے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، بھائی بھائی کا دشمن اور خون کا پیاسا تھا، ہم اسی حال میں تھے کہ اللہ تعالیٰ کی ہم پر عنایت ہوگئی، ہم میں ایک نبی پیدا ہوا، جس کی شرافت، حسب ونسب، امانت اور سچائی سے ہم لوگ خوب واقف تھے، اس نے ہم کو دین حق کی دعوت دی، ہم کو اس بات کی تعلیم دی کہ ہم صرف اللہ واحد کی عبادت کریں بتوں کی پوجا چھوڑ دیں، اس کے علاوہ ظلم وستم سے باز آئیں، سچ بولیں، مکروفریب سے بچیں، مظلوموں کی مدد کریں، یتیموں کا مال ناحق کھانے سے پرہیز کریں، پڑوسیوں کو آرام پہونچائیں، پاک دامن عورتوں پر بہتان نہ باندھیں، رشتہ داروں کے ساتھ حسن

سلوک کریں، قتل وغارت گری سے باز رہیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، زکوٰۃ دیں اور استطاعت ہو تو خانہ کعبہ کا حج کریں، بس ہم نے ان باتوں کو حق سمجھ کر قبول کرلیا، اور سچے دل سے اُن پر ایمان لے آئے، اُن کو اپنا پیغمبر تسلیم کیا۔

بتائیے، ہم ایسی اچھی باتیں کیوں نہ مانتے، یہ تو سمجھ کی بات ہے، کہ آدمی اپنا اچھا برا نہ سمجھے، بس اسی پر ہماری قوم ہماری دشمن ہوگئی، قوم کی یہ خواہش ہے کہ ہم اس نئے دین کو چھوڑ کر اسی پہلی گمراہی میں مبتلا ہو جائیں، سو یہ ہم سے نہ ہوگا، ہم سے ایسی امید فضول ہے، ہم کسی قیمت پر اپنا دین نہیں بدل سکتے۔“

بادشاہ پر اس تقریر کا بہت اثر ہوا اس نے حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے کہا ”تمہارے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) پر جو کلام نازل ہوا ہے اس میں سے کچھ سناؤ۔“

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ نے سورہ مریم کی چند آیتیں پڑھ کر سنائیں جس کا نجاشی پر کافی اثر پڑا، اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے اور کہنے لگا، واللہ یہ کلام اور انجیل ایک ہی نور سے نکلے ہیں۔“

پھر نجاشی نے قریش مکہ کے قاصدوں سے صاف کہہ دیا کہ میں ان مظلوم مسلمانوں کو واپس نہیں کر سکتا، قریش مکہ ناکام واپس ہوئے۔

مسلمانوں کو نجاشی کی مہربانیوں کا علم ہوا تو بہت سے لوگ خفیہ طریقہ سے پھر حبشہ روانہ ہوگئے، یہ تقریباً اسی آدمی تھے۔

بنی ہاشم سے قطع تعلق

کفار مکہ کے ظلم وستم اور روک تھام کے باوجود بھی اسلام تیزی سے بڑھ رہا تھا اور قریش کے بڑے بڑے سردار اور بڑے بڑے لوگ اسلام کے حلقہ میں داخل ہوتے جارہے تھے جن سے اسلام کو برابر مدد پہونچ رہی تھی، یہ دیکھ دیکھ کر قریش اور بھی پیچ وتاب کھانے لگے اور ان کی دشمنی دن بہ دن بڑھتی گئی، لیکن جب ان کی کوئی ترکیب اور کوئی تدبیر کارگر نہ ہوئی تو انہوں نے آخری صورت یہ نکالی کہ حضور اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے کنبہ کا بائیکاٹ کردیا جائے، چنانچہ سب نے آپس میں مشورہ کرکے اور اس رائے پر متفق ہوکر نبوت کے ساتویں سال ایک عہد نامہ لکھ کر بیت اللہ شریف میں لٹکا دیا، جس میں یہ لکھا تھا کہ کوئی شخص محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے خاندان سے تعلق نہ رکھے، لین دین، خرید وفروخت، شادی بیاہ، میل جول سب بند یا پھر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ہمارے حوالہ کردیں۔

ابوطالب سب کو لے کر ایک گھاٹی میں چلے گئے، جس کا نام

شعب ابوطالب ہے، یہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کے جاں نثار مسلمان بھی اپنے آقا کے ساتھ آگئے۔

یہاں مسلمانوں کو سخت تکلیف پہونچی، نہ کھانے پینے کا سامان تھا، نہ آرام کی کوئی چیز، بھوک وپیاس سے بچے بلبلاتے تھے، بوڑھے جاں بلب تھے، درختوں کی پتیاں چبا چبا کر اور سوکھا چمڑا بھون بھون کر پیٹ بھرا، اسی طرح تین سال گزارے۔

کافر، مسلمانوں کی یہ حالت دیکھ دیکھ کر خوش ہوتے تھے اور بغلیں بجاتے پھرتے تھے، آخر کار ان ہی ظالموں میں سے کسی کے دل میں رحم آگیا، اس نے اس معاہدہ کو توڑ ڈالا، اور کعبہ کے عہد نامہ کو اتار پھینکا، چنانچہ نبوت کے دسویں سال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو اس سخت قید سے نجات ملی۔

شفیق چچا ابوطالب کا انتقال

رفیقۂ حیات حضرت خدیجہؓ کی وفات

گھاٹی سے نجات پانے کے کچھ ہی عرصہ بعد نبوت کے دسویں سال آپ کے شفیق چچا ابوطالب کا انتقال ہوگیا، ابھی چچا کا غم

فراموش نہ ہوا تھا، کہ وفادار جاں نثار بیوی حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی بھی وفات ہوگئی، یہ دو حادثے ایسے پیش آئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سخت صدمہ برداشت کرنا پڑا۔

حضورؐ پر مصیبتوں کے تابڑ توڑ حملے

اب قریش کو کھلم کھلا ستانے کا موقع ملا، کھل کھول کر ستانا شروع کیا، پہلے تو ابو طالب کے لحاظ نیز حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی خاطر سے کچھ دبے ہوئے تھے، اب میدان صاف تھا، میدان خالی پاکر خوب ہی ہاتھ پاؤں مارے، خوب ہی اودھم مچایا، کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، بہت ہی گستاخیاں کیں اور بہت ہی بے ادبی سے پیش آئے۔

ایک مرتبہ آپ کہیں جارہے تھے، راستہ میں کسی کافر نے سر مبارک پر خاک ڈال دی، آپؐ اسی طرح گھر تشریف لے گئے۔ صاحبزادی صاحبہ پانی ڈالتی جاتی تھیں اور روتی جاتی تھیں، آپؐ نے فرمایا "جان پدر روؤ نہیں، اللہ تعالیٰ تمہارے باپ پر رحم فرمائے گا۔"

ایک مرتبہ آپ کعبے کے صحن میں نماز پڑھ رہے تھے کسی کافر نے اونٹ کی اوجھڑی لاکر گردن مبارک پر ڈال دی، حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو خبر ہوئی تو انہوں نے آکر گندگی کو دور کیا۔

ایک بار ایک شریر کافر نے آپؐ کی گردن مبارک میں چادر کا پھندا ڈال کر چاہا کہ گلا گھونٹ دے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آکر چھڑایا اور کہا "بڑے افسوس کی بات ہے کہ صرف اتنی بات پر تم ان کی جان لینا چاہتے ہو کہ وہ کہتے ہیں کہ میرا رب اللہ ہے۔"

طائف کی روانگی

مکہ معظمہ سے تین چالیس میل کے فاصلہ پر ایک شہر ہے جو بہت ہی سرسبز و شاداب ہے، یوں سمجھو کہ عرب کا کشمیر ہے اس کو طائف کہتے ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ والوں کی یہ حالت دیکھ کر ارادہ فرمایا کہ طائف جاکر وہاں کے سرداروں اور رئیسوں کو دین حق کی دعوت دیں، اللہ کا پیغام پہونچائیں، چنانچہ آپؐ وہاں تشریف لے گئے، اور ان کو اللہ کا پیغام سنایا، مگر بدنصیبوں میں کسی نے اس کو قبول نہ کیا قبول کرنا تو کنارا الٹے آپؐ کے سر ہوگئے، آپؐ کے پائے مبارک پر پتھر برسائے جس سے آپؐ کے پاؤں مبارک لہولہان ہوگئے۔

وہ پاؤں پیارے کہ جس خاک پر
جو پڑ جائیں ہو جائے کحل البصر

وہ ٹخنے کہ جس پر فدا مری جاں

وہ ٹخنے جنہیں کہیے جان جہاں

ہوئے خاک آلودہ پتھر سے ہائے

مگر باز اس پر بھی کافر نہ آئے

پھر اس پر بس نہیں کیا بلکہ جہاں آپؐ درد کی تکلیف سے بیٹھ جاتے تھے تو وہ شریر فوراً ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیتے تھے اور پتھر پر پتھر مارتے تھے، گالیاں دیتے تھے، آخر کار آپؐ نے ایک باغ میں جا کر پناہ لی، چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کی فلاح و بہبودی دل سے مرغوب تھی، اس لئے ایسے دکھ درد میں بھی آپؐ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکل رہے تھے کہ اے اللہ یہ نادان ہیں، یہ نہیں جانتے تو ان کو ہدایت عطا فرما۔"

آپؐ کو اپنی امت سے جو محبت تھی وہ شاید کسی ماں باپ کو اپنے اکلوتے بیٹے سے نہ ہوگی، یہ محبت اور شفقت ہی تو ہے کہ کفار مکہ نے ظلم و ستم اور ایذا رسانی میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، ایڑی چوٹی کا زور لگا ڈالا، اپنی پوری قوت صرف کر دی، پھر طائف والوں کی شرارت، مگر واہ ری محبت کہ آپؐ برابر ان کو دین حق کی دعوت دیتے رہے، ان کی اصلاح کی کوشش کرتے رہے اور ان کی ہدایت کی دعا فرماتے رہے۔

طائف کی ناکامی پر مکہ والوں کے حوصلے بلند ہو گئے، اب ان کے بڑے بڑے سرداروں نے مل کر تہیہ کر لیا کہ جتنی بھی تکلیف دی جا سکے وہ دیں تا کہ یہ ہر طرف سے کمزور ہو کر ٹوٹ جائیں، چنانچہ تمام قبیلوں نے مل کر پہلے سے بھی زیادہ زور آزمائی کی، لیکن آپؐ کے قدم کو ذرا بھی لغزش نہ ہوئی اور آپؐ اسی طرح اپنا کام کیے گئے۔

معراج حبیبؐ

سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُہ (سورہ بنی اسرائیل: ۱)

پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندہ کو رات ہی رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی، جس کے ارد گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں تا کہ ہم ان کو اپنی قدرت کے کچھ نمونے دکھلائیں بے شک وہی ہے سننے والا دیکھنے والا۔

آپؐ کی عمر شریف اکیاون برس کچھ مہینے کی تھی کہ نبوت کے گیارہویں سال، رجب کی ستائیں تاریخ، رات کے وقت آپؐ ام ہانیؓ

کے گھر میں آرام فرما رہے تھے، کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے آکر
آپ کو جگایا اور معراج کی خوش خبری سنائی، پھر ایک تیز رفتار سواری
پر جس کا نام براق تھا، آپ کو سوار کر کے اول بیت المقدس لے گئے
جہاں پر آپ نے تمام نبیوں سے ملاقات فرمائی پھر وہاں سے تمام
آسمانوں کو طے کرتے ہوئے اور دوزخ و جنت کے عجائبات دیکھتے
اللہ رب العالمین کے دربار عالی میں پہونچے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو
اپنی ہم کلامی کا شرف بخشا اور اسی شب میں آپ کی امت پر نماز فرض
ہوئی، پھر اسی سواری پر سوار ہو کر واپس تشریف لائے اور یہ سب پلک
جھپکتے ہو گیا۔

جب آپ نے صبح کو معراج کا حال سنایا تو کافروں نے
خوب مذاق اڑایا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو دیکھو یہ آسمان پر گئے
تھے، انہوں نے دوزخ، جنت کو دیکھا، بیت المقدس کی سیر کی واہ
خوب یہ ایک لمحہ میں سب کچھ کر آئے، لیکن بعض سمجھدار آدمیوں نے
واقعہ کی تصدیق کے لئے بیت المقدس اور اس کے راستے کے متعلق
مختلف سوالات کئے، جس کا جواب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بالکل
ٹھیک ٹھیک دے دیا، تب وہ لاجواب ہوئے، لیکن اس پر بھی جن کے
دل میں کجی تھی، انہوں نے جادوگری بتائی اور بعض خاموش ہو گئے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے
معراج کے تمام واقعات سن کر آمنا وصدقنا کہا، اور ہر بات کے صحیح ہونے
کا دل سے اقرار کیا، اس پر آپ نے ان کو صدیق کا لقب عطا فرمایا۔

تبلیغی دورہ

اب ہمارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارادہ فرمایا کہ
قبیلہ قبیلہ میں جا کر تبلیغ کریں، اور تبلیغ کے لئے مکہ معظمہ میں حج کے
زمانہ سے بہتر کوئی موقع نہ تھا۔

حج کے زمانہ میں عرب کے گوشہ گوشہ سے آدمی آ آ کر جمع ہوتے
تھے، اور کئی کئی روز ٹھہرتے تھے، پھر مکہ معظمہ کے آس پاس میلے لگتے تھے،
وہاں بھی آدمیوں کا جمگھٹ ہوتا تھا چنانچہ آپ ہر قبیلہ کے پاس جاتے
تھے، ان میں وعظ فرماتے تھے، قرآن شریف کی آیتیں پڑھ کر سناتے
تھے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پورے ملک میں اسلام کی آواز پہونچ گئی۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن سب کے دل میں لگا دی
ایک آواز میں سوتی بستی جگا دی

پڑا ہر طرف غل یہ پیغامِ حق سے
کہ گونج اٹھے دشت وجبل نامِ حق ؐ سے

قبیلہ اوس وخزرج

مدینہ طیبہ میں اوس وخزرج کے خاندان بہت مشہور تھے، یہ دونوں ایک قبیلے کے نہ تھے، اوس کا قبیلہ الگ تھا اور خزرج کا الگ۔

یہ قبیلے مدینہ طیبہ میں کاشتکاری کیا کرتے تھے، اور زمانہ سے یہاں رہتے تھے اور اب یہیں کے باشندہ ہوگئے تھے، ان کے آس پاس یہودی آباد تھے، یہودیوں کو توراۃ اور انجیل سے ایک پیغمبر کے آنے کی خبر معلوم ہوچکی تھی، اکثر ان کی محفلوں میں اس کا چرچا رہتا تھا اور یہی گفتگو رہتی تھی کہ وہ نبی کب پیدا ہوں گے اور کہاں پیدا ہوں گے، اوس اور خزرج کے لوگ بارہا اس کا تذکرہ سن چکے تھے۔

نبوت کے دسویں سال رجب کے مہینے میں اوس اور خزرج کے کچھ لوگ مکہ معظمہ آئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم موقع پاکر منیٰ کے قریب ایک گھاٹی (عقبہ) میں ان سے ملے اور ان کو اللہ کا کلام پڑھ کر سنایا اور دین حق کی دعوت دی۔

یہ اکثر سنتے ہی رہتے تھے کہ ایک نبی عنقریب ظاہر ہونے

والا ہے، بس اس کلام کو سنتے ہی انہوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور کہا ہونہ ہو یہ وہی نبی ہے جس کی خبر ہم مدتوں سے سن رہے ہیں، تو وہ اس ڈر سے کہ ایسا نہ ہو یہودی اسلام میں ہم سے بازی لے جائیں، فوراً ایمان لے آئے اور یہ کل چھ آدمی تھے۔

عقبہ میں پہلی بیعت

دوسرے سال حج کے موقعہ پر عقبہ ہی میں مدینہ طیبہ سے بارہ آدمی آکر مشرف بہ اسلام ہوئے، یہ ان کی پہلی بیعت تھی، اور یہ خواہش ظاہر کی کہ ہمارے ساتھ کسی ایسے شخص کو بھیج دیجئے جو ہم کو اسلام کے اصول بتائے اور اس کے ارکان سکھائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی خواہش پر حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو ان کے ہمراہ کردیا۔

حضرت مصعب بن عمیرؓ نے مدینہ طیبہ پہونچ کر اسلام پھیلانے کی بڑی کوشش کی، گھروں گھروں میں جاجا کر تبلیغ کی، بڑے بڑے موثر وعظ کہے اور بہت نرمی اور محبت سے لوگوں کو سمجھایا، چنانچہ ان کی تعلیم سے مدینہ طیبہ کے بہت سے گھرانے اسلام کے نور سے منور ہوگئے اور اسلام گھر گھر پھیل گیا۔

کبھی کے جو پھرتے تھے مالک سے بھاگے
دیے سر جھکا ان کے مالک کے آگے

عقبہ میں دوسری بیعت

اگلے سال نبوت کے تیرہویں برس حج کے زمانہ میں مدینہ طیبہ سے بہتر آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئے اور منیٰ کے قریب ایک گھاٹی عقبہ میں جہاں ایک سال پہلے ان کے دوسرے ساتھی مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے اور دست مبارک پر بیعت کر چکے تھے خفیہ طور سے آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کی، اس وقت آپؐ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت بہت کرتے تھے، ان لوگوں سے کہا، دیکھو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاندان میں بہت معزز شخص ہیں، ہم ہمیشہ دشمنوں کے مقابلہ میں ان کا ساتھ دیتے رہے ہیں اور ان کی مدد کرتے رہے ہیں، اب یہ تمہارے یہاں جانا چاہتے ہیں، اگر تم اس کا وعدہ کرو کہ ہم مرتے دم تک ان کا ساتھ دیں گے تو بہتر ہے ورنہ ابھی سے جواب دو۔

وہ بولے کہ جو کچھ آپ نے کہا، ہم نے سنا، اب حضورؐ کچھ

ہماری بھی گذارش سن لیں۔

حضورؐ ہم سے اور یہودیوں سے بہت گہرے تعلقات ہیں اور بیعت کے بعد لازماً یہ تعلقات ٹوٹ جائیں گے، ایسا نہ ہو کہ جب اسلام کا غلبہ ہو اور آپؐ کو طاقت حاصل ہو جائے تو آپ ہم کو چھوڑ کر چلے آئیں تو پھر ہم تو کسی طرف کے نہ رہیں گے۔"

آپؐ نے فرمایا "نہیں ہرگز نہیں، میری موت و زندگی تمہارے ساتھ ہے، تمہارا خون میرا خون ہے، میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو۔"

پھر آپؐ نے ان ہی میں سے بارہ آدمی ان ہی کی رائے سے چھانٹ لئے اور ان کو ان پر امیر بنایا، جن میں نو قبیلہ خزرج کے تھے اور تین قبیلہ اوس کے۔

مدینہ طیبہ

مدینہ طیبہ عرب کا ایک مشہور شہر ہے، یہ مکہ معظمہ سے تقریباً ساڑھے چار سو کلومیٹر کے فاصلہ پر ہے، اس کا نام پہلے یثرب تھا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ نام تجویز کیا، اور یہی نام مشہور ہو گیا۔

مدینہ طیبہ کے رہنے والے بت پرست اور یہودی تھے مشرکوں کے دو بڑے قبیلے نامی گرامی اوس اور خزرج کے تھے اور

یہودیوں کے تین بڑے زبردست قبیلے تھے، ایک بنو نضیر، دوم بنی
قینقاع، سوم بنو قریظہ، قریش کو جب معلوم ہوا کہ مدینہ میں اسلام
خوب ترقی کر رہا ہے تو پھر ان کے غیظ و غضب کی کوئی حد نہ رہی، اب
انہوں نے مسلمانوں کو پہلے سے بھی زیادہ ستانا شروع کر دیا، آخر کار
حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو عام اجازت دے دی کہ وہ اپنا
وطن چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر جائیں، بس مسلمان رفتہ رفتہ جانے لگے،
انہوں نے اللہ کے لئے گھر چھوڑا، مال چھوڑا، بیوی بچے چھوڑے،
صرف ایمان لے کر چل دیئے، اب مکہ معظمہ میں چند کمزور مسلمانوں
اور حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ
کے سوا کوئی نہ رہا، ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اللہ کے حکم کے
منتظر تھے۔

ہجرت

قریش کو علم ہو گیا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہجرت کرنے
والے ہیں، ان کو پہلے ہی مسلمانوں کے چلے جانے سے فکر تھی، اب تو
بڑا اندیشہ پیدا ہو گیا کہ اگر مدینہ میں اسلام جڑ پکڑ گیا اور مضبوط ہو گیا
تو پھر بڑی مشکل ہوگی، یہ تو قوت پا کے ہم کو فنا کر دیں گے، پھر ہم

سے کچھ کرتے دھرتے نہ بنے گا، اس کی روک تھام ابھی سے ہونا
چاہئے، ورنہ پھر بڑی خرابی ہوگی، یہ خیال کر کے سب لوگ دارالندوہ
(مشورہ کا گھر) میں جمع ہو گئے، اور آپس میں یہ طے کیا کہ ہر قبیلہ کا
ایک ایک آدمی مل کر رات کو سوتے میں آپؐ کو قتل کر کے ہمیشہ کے لئے
اس شمع ہدایت کو بجھا دے، لیکن ؎

ترے محفوظ کو کوئی ضرر پہونچا نہیں سکتا
عناصر چھو نہیں سکتے فلک دھمکا نہیں سکتا

اللہ تعالی نے اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار مکہ
کے اس ناپاک ارادہ کی خبر کر دی، اور ہجرت کا حکم فرما دیا۔

مکہ والے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مخالف تھے لیکن
آپؐ کی امانت اور دیانت داری پر پورا بھروسہ تھا، چنانچہ مکہ والوں
کی بہت سی امانتیں اب بھی آپؐ کے پاس موجود تھیں حضور صلی اللہ
علیہ وسلم نے ساری امانتیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیں اور
فرمایا، آج تم میرے بستر پر آرام سے سو، صبح کو یہ امانتیں لوگوں کو دے کر
تم بھی چلے آنا، حضرت علی رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد
کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر پر سوئے اور قریش ساری
رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر اس امید پر گھیرے پڑے رہے کہ صبح

ہوا اور ہم حملہ کریں، صبح کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم
کے بستر پر دیکھ کر حیران ہو گئے، ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے، دل پکڑ کر
بیٹھ گئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے
مکان پر تشریف لے گئے، وہاں سے دونوں حضرات اللہ کا نام لے کر
لوگوں کی نظر بچاتے ہوئے نکل گئے اور غار ثور میں جا کر قیام فرمایا۔

کافروں نے صبح ہی سے کھوج لگانا شروع کر دیا اور تلاش
کرتے ہوئے غار کے دہانے پر پہونچ گئے، اب حضرت ابو بکرؓ بہت
گھبرائے اور عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمن تو بالکل قریب
آ گئے، اگر ان کی نگاہ نیچے پڑ گئی تو فوراً ہم کو پالیں گے۔

آپؐ نے نہایت اطمینان اور دل جمعی کے ساتھ فرمایا
''گھبراؤ مت، ڈرو نہیں، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔''

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ
رات کو آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ والوں کے خیالات اور مشورہ کی
خبر دیتے تھے اور دیر رات گئے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے غلام عامر
بن فہیرہ بکریاں لے کر آ جاتے تھے، اور یہ دونوں حضرات اس کا دودھ
نوش فرمالیا کرتے تھے اس طرح تین دن گزر گئے۔

چوتھے روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابو بکرؓ غار سے
نکل کر تشریف لے چلے اور ایک رات ایک دن برابر چلتے رہے،
دوسرے دن دوپہر کو ایک چٹان کے پاس پہونچ کر آرام کیا، اور تھوڑا
دم لے کر پھر آگے بڑھے، قریش نے یہ اعلان کر دیا تھا، کہ جو محمد ﷺ
کو یا ابو بکرؓ کو پکڑ لائے گا، اس کو سو اونٹ کا انعام ملے گا۔

یہ سن کر سراقہ کے منہ میں پانی بھر آیا، وہ انعام کے لالچ میں
بن سنور کر گھر سے نکلا، اور ٹھیک اس وقت چٹان کے پاس پہونچا
جب کہ آپؐ وہاں سے روانہ ہو رہے تھے۔

سراقہ نے دور ہی سے آپؐ کو دیکھ لیا، اور چاہا کہ جلد نزدیک
پہونچ کر گرفتار کر لے، لیکن عین وقت پر گھوڑے نے ٹھوکر کھائی اور
وہ گر پڑا، پھر اس نے عرب کے دستور کے مطابق فال نکالی، فال بھی
ٹھیک نہ نکلی، مگر وہ اب بھی باز نہ آیا، پھر گھوڑا دوڑایا، اس مرتبہ گھوڑے
کے پاؤں گھٹنوں تک زمین میں دھنس گئے، اب تو وہ بہت گھبرایا اور
سمجھ گیا کہ یہ معاملہ دگرگوں ہے، بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے فریاد
کی کہ امان دیجئے، آپؐ نے اس کی درخواست قبول فرمائی اور وہ جان
بچا کر بھاگا۔

مدینہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد

ہوا چاروں طرف اقصائے عالم میں پکار آئی
بہار آئی ، بہار آئی ، بہار آئی ، بہار آئی

مدینہ طیبہ کے لوگوں کو آپؐ کی تشریف آوری کی اطلاع ہو چکی تھی، اور وہ سراپا شوق بنے ہوئے تھے ان کی خوشی کی کوئی حد نہ تھی، بس ان کی خوشی کا حال کوئی انہیں سے پوچھے۔ بچے خوشی اور مسرت میں گلی گلی کہتے پھر رہے تھے کہ ہمارے نبیؐ آرہے ہیں، ہمارے نبیؐ آرہے ہیں، بچیاں اپنے کوٹھوں اور چھتوں پر بیٹھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے آنے کی خوشی میں ترانے گاتی تھیں، نوجوان لڑکے اور بڑے بوڑھے شہر سے باہر نکل کر دن چڑھے تک آپؐ کی تشریف آوری کا انتظار کرتے تھے۔

ایک دن وہ انتظار کر کے واپس ہو رہے تھے کہ ایک یہودی کی نظر آپؐ پر پڑ گئی اور وہ پکار اٹھا،

"اے پلٹنے والو! جن کا تم کو انتظار تھا وہ آگئے"

بس پھر کیا تھا اس آواز کے سنتے ہی سارے شہر میں ہل چل مچ گئی، پورا شہر تکبیر کے نعروں سے گونج اٹھا اور تمام مسلمان استقبال

کے لئے نکل آئے، یہ نبوت کا تیرہواں سال تھا۔

قبا کی پہلی خوش نصیبی

مدینہ طیبہ سے تقریبا تین میل کے فاصلہ پر ایک چھوٹی سی بستی ہے جس کا نام قبا ہے، آپؐ نے پہلے یہاں قیام فرمایا۔

یہاں مسلمانوں کے کئی گھرانے آباد تھے اور کلثومؓ بن ہدم ان کے سردار تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان ہی کے گھر مہمان ہوئے، حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے تھے وہ بھی ان کے مہمان ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں ایک چھوٹی سی مسجد بنوائی جس کا نام قبا کی مسجد ہے۔

چودہ روز یہاں قیام فرما کر جمعہ کے دن آپؐ مدینہ طیبہ روانہ ہوئے، راستہ میں بنی سالم کے محلّہ میں آپؐ نے جمعہ کی نماز پڑھی، اور نماز سے پہلے ایسا مؤثر خطبہ فرمایا جس سے سب کے دل پر بہت اثر پڑا۔

مدینہ طیبہ میں حضورؐ کا استقبال

نماز سے فراغت پاکے آپؐ آگے بڑھے، جب لوگوں کو

آپ کی تشریف آوری کا علم ہوا تو جوش مسرت میں سب کے سب باہر نکل آئے اور سڑک کے دونوں کناروں پر، ہر قبیلہ کے معزز لوگ استقبال کے لئے دورویہ کھڑے ہوگئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جس قبیلہ کے پاس سے گذرتے تھے، وہ عرض کرتا تھا اے اللہ کے رسولؐ، میری جان، میرا مال، میرا گھر آپؐ کے لئے حاضر ہے، آپؐ کے قدموں پر نثار ہے۔

آپ ان سب کے خلوص اور محبت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اور دعا دیتے ہوئے آگے بڑھتے جاتے تھے۔

اس وقت مسلمانوں کی خوشی کا عالم نہ پوچھو، خوشی میں ہر ایک کی باچھیں کھلی ہوئی تھیں، اور پروانہ وار فدا ہو رہے تھے، بیبیاں اپنے مکانوں کی چھتوں پر آکر بیٹھ گئیں اور خوشی میں یہ گانے لگیں۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا مِنْ ثَنِيَّاتِ الْوِدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ

بنو نجار کی بچیاں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رشتہ دار تھیں خوشی میں دف بجا بجا کر یہ شعر گاتی تھیں۔

(۱) ترجمہ: ہم پر چودھویں رات کا چاند وداع کی گھاٹیوں سے طلوع ہوا۔ جب تک دعا مانگنے والے دعا مانگیں ہم پر خدا کا شکر واجب ہے۔

نَحْنُ جَوَارٍ مِنْ بَنِي النَّجَّارِ
يَا حَبَّذَا مُحَمَّدٌ مِنْ جَارٍ

آج سب کے دل باغ باغ ہیں، آج ابر رحمت جھوم جھوم کے آرہا ہے، اور سب کے دلوں کو سیراب کر رہا ہے، آج سب کا دل خوشی سے بلیوں اچھل رہا ہے، آج سب کی آنکھیں اپنے محبوب کے لئے فرش راہ بنی ہیں، ہر ایک کی خواہش ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر کو شرف بخشیں، ہر ایک کی تمنا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک ہمارے گھر کو زینت دیں، ہر ایک کی آرزو ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے مہمان ہوں، ہر شخص اونٹنی کی لگام تھام کر اپنے گھر اتارنا چاہتا ہے۔

آپؐ نے سب کی خواہش اور تمنا پر نظر فرما کر فرمایا کہ اس اونٹنی کو چھوڑ دو، جہاں خدا کا حکم ہوگا، یہ آپ ٹھہر جائے گی۔

مسجد نبوی کے بالکل متصل حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار اور بنو نجار کے خاندان سے تھے) کا مکان تھا۔

خدا کا حکم اونٹنی نے حضرت ابو ایوب انصاریؓ کے مکان پر

(۱) ترجمہ: ہم بنو نجار کے خاندان کی لڑکیاں ہیں، اللہ اللہ محمدؐ ہمارے پاس بسیں گے۔

آکر ہی دم لیا۔

حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی خوشی کا کیا پوچھنا، خوشی و مسرت میں پھولے نہ سمائے، جلدی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر میں اتارا، اور آپؐ کے آرام و راحت کا پورا سامان مہیا کیا۔

وہ آئیں گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہے
کبھی ہم ان کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سات مہینے یہاں قیام فرمایا۔

مدینہ طیبہ والوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اور دیگر مسلمانوں کا بڑا خیال کیا، جان و مال سے ان کی مدد کی، اپنا گھر بار سب ان کی نذر کردیا، اس لئے ان کا لقب انصار ہو گیا، انصار، ناصر کی جمع ہے اور ناصر کے معنی مددگار کے ہیں، مہاجر کے معنی وطن چھوڑنے والا، چونکہ مکہ کے مسلمان اپنا عزیز وطن چھوڑ کر مدینہ طیبہ آکر بس گئے تھے، اس لئے ان کو مہاجرین کا خطاب ملا۔

انصار نے ان مہاجرین کو اپنے گھروں میں اتارا، اور ان کو اپنی جائیداد، کھیتی باڑی اور اپنے ہر کام میں شریک کیا۔

یہاں آکر مسلمانوں کو آرام ملا، اور انہوں نے اطمینان کی سانس لی۔

مسجد نبویؐ کی تعمیر

مدینہ طیبہ میں اب تک کوئی مسجد نہیں بنی تھی۔ جہاں آپؐ کا قیام تھا، اس سے ملی ہوئی دو یتیم بچوں کی زمین تھی، آپؐ نے اس کو مسجد کے لئے تجویز کیا۔

ان یتیم بچوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مفت پیش کرنا چاہا، مگر آپؐ نے یوں قبول نہیں فرمایا تو ایک انصاری نے اس کو خرید کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نذر کردیا۔

مسجد بننا شروع ہوئی، اور بنانے والے کون؟ حضورؐ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار ساتھی۔

مسجد کیسی بنی؟ کچی دیوار، اور کھجور کے تنے، اور پتوں کی چھت۔

یہ ہمارے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد تھی جس کے نمازی خود ہی اس کے مزدور بنے۔

اسی مسجد میں تمام مسلمان جماعت کے ساتھ نماز پڑھتے تھے اور اپنے آقائے دو جہاں کی صحبت اور نصیحتوں سے فیض یاب بھی ہوتے تھے۔

جب مدینہ طیبہ میں آ کر اطمینان نصیب ہوا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مسجد کے قریب کچھ حجرے بنوائے، پھر کسی کو بھیج کر اہل بیت رضی اللہ عنہن (یعنی بیوی اور بچوں) کو بلوایا۔

ایک حجرہ میں آپ کی صاحبزادی فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا اور آپ کی بیوی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا نے قیام فرمایا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے صاحبزادہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بھی اپنی ماں بہنوں کے ساتھ آ گئے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے مکہ معظمہ میں ہو چکا تھا، یہاں آ کر رخصتی ہوئی اور وہ میکہ سے رخصت ہو کر کاشانہ نبوت میں پہونچیں۔

اب اللہ کی عنایت اور مہربانی سے مسلمانوں کو آرام ملا، اور وہ امن وعافیت کے ساتھ رہنے لگے۔

بھائی چارہ

مہاجرین، اللہ کے لئے اپنا عزیز اور مقدس وطن، اپنا گھر بار، اپنی کھیتی باڑی، اپنا تجارتی کاروبار، حتی کہ اپنے بیوی بچوں کو چھوڑ کر خالی ہاتھ نکل پڑے تھے، اب ضرورت تھی کہ ان کے رہنے کے

لئے گھر، اور کمانے کے لئے کمائی کے اسباب مہیا کئے جائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا انتظام فرمایا، انصار اور مہاجرین کو ایک دوسرے کا بھائی بنا دیا، یعنی بھائی چارہ کرا دیا مدینہ طیبہ کے مسلمان اللہ اور اس کے رسول کی محبت میں سرشار تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر ارشاد اور ہر حکم پر سر تسلیم خم کر دیتے تھے اور دل سے قبول کرتے تھے، اور پھر انہیں دین سے بھی محبت تھی تو دینی بھائیوں سے محبت ہونا لازمی تھا، اس وجہ سے انہوں نے اس محبت اور بھائی چارہ کو خوب ہی نباہا، ہر انصاری نے اپنے مہاجر بھائی کو اپنا حقیقی بھائی سمجھا، اپنے آدھے مال اور گھر کا ان کو شریک بنایا اور پھر نسل در نسل یہ محبت قائم رہی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اسلامی مساوات اور اخوت کا بیج ایسا بو دیا کہ قیامت تک پھل لاتا رہے گا، اور یہ محبت کا بیج دلوں میں ایسا جڑ پکڑ گیا کہ جس کو نہ دنیا کی کوئی قوت مٹا سکتی ہے نہ پیش کر سکتی ہے۔

یہودیوں اور مسلمانوں میں صلح

مدینہ طیبہ میں یہودیوں کی بڑی آبادی تھی، یہ ملک حجاز کے بڑے سوداگر اور مہاجن تھے۔

قبیلہ اوس اور خزرج میں ہمیشہ لڑائی رہتی تھی، وہ اپنی روز روز

کی لڑائی سے تھک گئے تھے، چاہتے تھے کہ کسی کو اپنا بادشاہ بنالیں تا کہ ایک جتھ قائم ہو جائے اور یہ روز روز کے جھگڑے مٹیں، بس انہوں نے عبداللہ بن ابی کو بادشاہت کے لئے تجویز کیا تھا لیکن اس پر عمل نہ ہو سکا۔

یہودیوں کا یہ حال تھا کہ وہ کبھی قبیلہ اوس کا ساتھ دیتے تھے اور کبھی قبیلہ خزرج کا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شہر کی بدامنی اور بے اطمینانی ملاحظہ فرما کر یہ ارادہ فرمایا کہ مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان ایسا عہد قائم کر دیں کہ اگر باہر سے کوئی حملہ ہو تو یہ سب ایک دوسرے کے مددگار ہوں، چنانچہ آپؐ نے اپنی دوراندیشی اور حکمت عملی سے ایسی شرطوں پر یہودیوں سے صلح کی کہ ان کے مذہبی حقوق بھی پامال نہ ہوئے اور مسلمان بھی آزادی کے ساتھ رہے۔

یہودیوں نے صلح تو کر لی اور مدد کا پکا وعدہ بھی کیا، لیکن اسلامی قوت روز بروز بڑھتی دیکھ کر دل ہی دل میں پیچ وتاب کھانے لگے اور بے آگ پانی جلنے لگے، خاص کر عبداللہ بن ابی بہت جلتا تھا، اس کو یہ جلن تھی کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نہ آتے تو ہم مدینہ کے بادشاہ ہوتے، اگرچہ اس نے اور اس کے ساتھیوں نے منہ سے کچھ نہیں کہا، مگر دل میں فساد کی آگ بھڑک رہی تھی اور منہ سے دھواں

اٹھ رہا تھا، یہی نفاق کی اصل ہے اور یہی لوگ اصلی منافق تھے۔

جنگ کا سلسلہ

مسلمان جب مکہ معظمہ سے مدینہ طیبہ چلے آئے تو کافروں کی خوب بن آئی، ان کے تمام گھروں اور جائدادوں پر اپنا قبضہ کر لیا، اور ان کی عورتوں اور بچوں پر پہرہ بٹھا دیا کہ یہ مدینہ طیبہ جانہ سکیں، پھر اس پر بھی بس نہ کیا بلکہ مدینہ کے یہودیوں اور منافقوں سے خط وکتابت شروع کر دی، ان کو دھمکی دی کہ تم نے ہمارے دشمنوں کو اپنے شہر میں پناہ دی، بہتر یہی ہے کہ تم ان کو اپنے شہر سے نکال دو، ورنہ تمہارے حق میں اچھا نہ ہوگا، اس کے بعد ہی یہ واقعہ پیش آیا کہ مکہ کے رئیس کرز بن جابر فہری نے مدینہ طیبہ میں مسلمانوں کی چراگاہ پر حملہ کیا اور آپؐ کے سو اونٹ لے بھاگا مسلمانوں نے اس کا پیچھا کیا لیکن وہ بچ کر نکل چکا تھا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو اجازت فرمادی تھی کہ وہ اپنی جان ومال کی حفاظت کے لئے تیاری کر لیں مکہ کے کافر لڑائی کے دھنی تھے، لڑائی کو بائیں ہاتھ کا کھیل سمجھتے تھے، شر اور فساد ان کی گھٹی میں پڑا تھا، اور اب تو ان کا ظلم اس درجہ بڑھ گیا تھا کہ مسلمانوں کو ترکی بہ ترکی جواب دینے کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، مثلاً کمزور مسلمانوں

اور عورتوں اور بچوں کو مدینہ نہ جانے دینا، ان پر پہرے بٹھا دینا اور ان
مسلمانوں کو جو یہاں سے ہجرت کر گئے تھے مکہ نہ آنے دینا حد یہ ہے
کعبہ کا طواف، حج اور عمرہ جو سارے عرب کے لئے کھلا تھا،
ن پر بند کر دینا، یہ باتیں ایسی نہ تھیں کہ ٹھنڈے دل سے
ی جاتیں، بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرما لیا کہ
کے ان زہریلے اثرات کو مٹا کر خدا کی زمین کو خدا ہی
اور اس کا کلمہ بلند کرنے کے لئے پاک وصاف
پ نے اللہ کے حکم سے جہاد کا صاف حکم

کا پہلا قدم

ضان المبارک میں حضور ﷺ
نج پر امیر بنا کر ابو جہل

قریب تھے۔

ں نے ﷺ

ایک مہینہ کے بعد شوال کے مہینہ میں آپ نے دوسری فوج حضرت ابو عبیدہؓ بن حارث کے ماتحت ابو سفیان کے مقابلہ کے لئے روانہ فرمائی۔

اس فوج میں کل ساٹھ آدمی تھے۔

لڑائی شروع ہوئی، مسلمانوں نے کافروں پر خوب تیر و پتھر برسائے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مسلمانوں کو نمایاں فتح عطا فرمائی، کفار شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

غزوہ بدر

مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان بدر نامی ایک گاؤں ہے، یہیں پر حق و باطل کے درمیان پہلی جنگ ہوئی، ۱۲؍ رمضان المبارک ۲ھ کو مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت فقط تین سو تیرہ آدمی، قریش کے ایک ہزار بہادروں سے مقابلہ کے لئے نکل کھڑے ہوئے، اور لطف یہ کہ ان مسلمانوں کے پاس کوئی سامان نہیں، پورے ہتھیار نہیں اور کافر پورے سامان سے لیس ہو کر آئے تھے۔

مسلمان شہادت کے شوق میں بے خود، کفار غلبہ حاصل کرنے کے لئے بے تاب، غرض گھمسان کی لڑائی ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم

اور عورتوں اور بچوں کو مدینہ نہ جانے دینا، ان پر پہرے بٹھا دینا اور ان مسلمانوں کو جو یہاں سے ہجرت کر گئے تھے مکہ نہ آنے دینا حد یہ ہے کہ کعبہ کا طواف، حج اور عمرہ جو سارے عرب کے لئے کھلا تھا، مسلمانوں پر بند کر دینا، یہ باتیں ایسی نہ تھیں کہ ٹھنڈے دل سے برداشت کر لی جاتیں، بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فیصلہ فرمایا کہ اب کفر و شرک کے ان زہریلے اثرات کو مٹا کر خدا کی زمین کو خدا ہی کی عبادت و اطاعت اور اس کا کلمہ بلند کرنے کے لئے پاک و صاف کر دینا چاہئے۔ چنانچہ آپؐ نے اللہ کے حکم سے جہاد کا صاف حکم دے دیا۔

اسلامی فوج کا پہلا قدم

ہجرت کے ساتویں سال مہینہ رمضان المبارک میں حضور ﷺ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو ایک چھوٹی سی فوج پر امیر بنا کر ابوجہل کے مقابلہ کے لئے روانہ فرمایا۔

اس فوج میں کل بتیس آدمی تھے اور کفار تین سو کے قریب تھے۔

دونوں لشکر مقابلہ پر آئے مگر لڑائی نہیں ہوئی، لوگوں نے بیچ بچاؤ کر کے جنگ کو روک دیا۔

ایک مہینہ کے بعد شوال کے مہینہ میں آپؐ نے دوسری فوج حضرت ابوعبیدہؓ بن حارث کے ماتحت ابوسفیان کے مقابلہ کے لئے روانہ فرمائی۔

اس فوج میں کل ساٹھ آدمی تھے۔

لڑائی شروع ہوئی، مسلمانوں نے کافروں پر خوب تیر و پتھر برسائے، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے مسلمانوں کو نمایاں فتح عطا فرمائی، کفار شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔

غزوہ بدر

مکہ معظمہ اور مدینہ طیبہ کے درمیان بدر نامی ایک گاؤں ہے، یہیں پر حق و باطل کے درمیان پہلی جنگ ہوئی، ۱۲ رمضان المبارک ۲ھ کو مسلمانوں کی مٹھی بھر جماعت فقط تین سو تیرہ آدمی، قریش کے ایک ہزار بہادروں سے مقابلہ کے لئے نکل کھڑے ہوئے، اور لطف یہ کہ ان مسلمانوں کے پاس کوئی سامان نہیں، پورے ہتھیار نہیں اور کافر پورے سامان سے لیس ہو کر آئے تھے۔

مسلمان شہادت کے شوق میں بے خود، کفار غلبہ حاصل کرنے کے لئے بے تاب، غرض گھمسان کی لڑائی ہوئی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم

صف بندی فرما کر خیمہ میں تشریف لائے اور اللہ کے حضور سر بسجود ہو کر مسلمانوں کی فتح ونصرت کی دعا فرمائی، عرض کیا:۔

"اے معبود! اگر تیرے یہ بندے جام شہادت
پی گئے تو پھر کوئی تیرا نام لینے والا نہ رہ جائے گا۔
پروردگار ان کو اپنے فضل وکرم سے فتح عنایت فرما۔"

اللہ تعالی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شرکت اور دعاؤں کی برکت سے نیز مسلمانوں کے خلوص محنت اور جفاکشی کی بدولت بڑی شان دار فتح عطا فرمائی، قریش مکہ کے بڑے بڑے سردار جو مسلمانوں کے سخت ترین دشمن تھے اس لڑائی میں مارے گئے، جیسے عتبہ، شیبہ، ابوجہل، امیہ بن خلف، اور بہت سے کافر گرفتار ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوئے۔

اب ان قیدیوں کو قتل کر کے مسلمان اپنی تکالیف کا پورا پورا بدلہ لے سکتے تھے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان رحمت نے کسی طرح یہ گوارا نہ فرمایا کہ ان کو تکلیف دی جائے، چنانچہ امیروں سے فدیہ لے کر ان کو رہا کیا اور غریبوں کے ذمہ یہ رکھا کہ وہ مسلمانوں کے دس لڑکوں کو پڑھائیں، اس لڑائی میں کافروں کو ہار ماننا پڑی، بری طرح شکست کھائی، عتبہ، شیبہ، ولید، ابوجہل اور امیہ بن خلف کی

موت نے ان کی کمر توڑ دی، ان کی ہمت پست کر دی، ان کے حوصلے فنا کر دیئے، سچ تو یہ ہے کہ حق کے آگے باطل کی ہار ضروری ہے۔

اس غزوہ میں مسلمانوں کے سردار، ہمارے آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم تھے، اور کفار کا سردار ابوجہل تھا جو موت کے گھاٹ اُتر گیا۔

اس جنگ میں ستر کافر مارے گئے، اور ستر ہی قید ہوئے، اور چودہ مسلمانوں نے جام شہادت نوش فرمایا، جن میں چھ مہاجر تھے اور آٹھ انصار۔

مسلمان کامیاب بامراد اپنے آقائے نامدار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خوشی خوشی مدینہ طیبہ واپس ہوئے، لیکن عین اسی وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا جو حضرت عثمان غنیؓ کے نکاح میں تھیں وفات پاگئیں۔

اسی سال عید الفطر رمضان المبارک کے روزوں، عید کا فطرہ، بقر عید کی نماز، قربانی اور زکوۃ کے احکام نازل ہوئے۔

حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا نکاح

غزوہ بدر سے واپسی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت فاطمہ

زہرا رضی اللہ عنہا کی شادی کی فکر ہوئی، کئی جگہ سے پیغام آچکے تھے، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ ہم عمر لڑکا ملے، اللہ کا کرنا، کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنی درخواست پیش کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرمائی، اور ذی الحجہ ۲ھ میں نہایت سادے طریقہ سے یہ تقریب انجام پائی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس شادی میں مہر کے سلسلہ میں ایک زرہ دی، جس کی قیمت سوا سو روپیہ تھی، اس کے علاوہ بھیڑ کی ایک کھال، ایک پرانی یمنی چادر، یہ چیزیں جوان کے گھر کی کل کائنات تھی، آقائے دو عالم کی محبوب بیٹی کی نذر کیں، ایک صحابیؓ نے اپنا خالی مکان ان دونوں کو رہنے کے لئے عنایت کیا، اب ذرا اس ساز و سامان کو بھی دیکھئے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چہیتی بیٹی کے جہیز میں دیا۔

(۱) بان کی ایک چارپائی، (۲) چمڑے کا ایک گدا جس میں کھجور کے پتے بھرے ہوئے تھے (۳) ایک پیالہ (۴) ایک مشک (۵) دو مٹی کے گھڑے (۶) دو چکیاں غلہ پیسنے کے لئے۔

شادی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ زہرا رضی [illegible] کے گھر تشریف لائے، اور دونوں پر تبرکاً پانی چھڑکا، اور

بیٹی سے فرمایا: ’’بیٹی میں نے تمہارا نکاح خاندان کے سب سے بہتر آدمی سے کیا ہے۔‘‘

غزوۂ احد

بدر کی شکست سے قریش مکہ کے حوصلے توپست ہو گئے تھے، لیکن غیظ و غضب، بغض و عناد کی آگ بھڑک رہی تھی، اس آگ نے ان کو ایک دن بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا، ایک سال تو انہوں نے جیسے تیسے گزار لیا، اس کے بعد بدلہ لینے کی ٹھان لی اور تین ہزار آدمیوں کا لشکر بڑے زور و شور سے تیار کیا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ خبر سنی تو آپؐ نے بھی ایک لشکر تیار کیا۔

مسلمان گو بظاہر بے سرو سامان تھے لیکن ارادے کے سچے، ایمان کے پکے، اور اس کے اللہ رسولؐ پر جان دینے والے، وہ بھلا کفار کو کیا خاطر میں لاتے، وہ دشمنوں کی کثرت سے ذرا بھی نہ گھبرائے، گھبرانا کیسا بلکہ ذوق و شوق میں سینہ تان کر نکل آئے، ہر ایک یہ چاہتا تھا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر سب سے پہلے میں نثار ہو جاؤں۔

قریش نے مدینہ طیبہ پہونچ کر احد پہاڑ کے پاس بڑی شان سے اپنا پڑاؤ ڈالا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم شوال ۳ھ میں جمعہ کی نماز پڑھ کر ایک ہزار مسلمانوں کو لے کر احد پہاڑ کی طرف روانہ ہوئے، عین وقت پر منافقوں نے دھوکا دیا، اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر صاف نکل گئے اب صرف سات سو مسلمان رہ گئے۔

مسلمانوں نے احد پہاڑ کے دامن میں اس طرح اپنی فوجیں اتاریں اور صفیں مرتب کیں کہ مسلمانوں کی پشت پر پہاڑ تھا، اس پہاڑ کے دامن میں ایک چھوٹی سی پہاڑی اور تھی، ڈر تھا کہ دشمن اسی طرف سے آکر پیچھے سے حملہ نہ کر بیٹھیں اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس تیر انداز اس پہاڑی پر مقرر فرما دیئے اور ان کو حکم دیا کہ ہم کو فتح ہو یا شکست، تم اپنی جگہ سے نہ ہلنا۔

دفعۃً کفار کی عورتیں بدر کے مقتولوں کا مرثیہ درد بھرے الفاظ میں پڑھتی ہوئی نکلیں۔ بس پھر کیا تھا کفار مکہ آپے سے باہر ہوگئے، اب آئیں تو جائیں کہاں، فوراً قریش کا علمبردار طلحہ اپنی صف سے نکل آیا، اور آواز دی کہ جس کو لڑ نا مرنا ہو وہ ہمارے مقابلہ پر آئے، ادھر سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نکلے اور بڑھ کر تلوار کا ایسا وار کیا

کہ وہ دم ہی نہ لینے پایا، سارا زور دھرا رہ گیا، اس کے بیٹے نے جو یہ ماجرا دیکھا تو بہت طیش میں آگے بڑھا، ادھر سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بڑھے اور لپک کر ایک وار ایسا کیا کہ اس کا خاتمہ ہو گیا، اب دونوں فوجیں مل گئیں اور عام جنگ شروع ہو گئی، دونوں جانب کے بہادر ہتھیلی پر سر رکھ کر ایک دوسرے پر ٹوٹ پڑے اور گھمسان کی لڑائی شروع ہو گئی۔

حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دشمنوں کی فوج میں گھس گئے اور ان کی صفیں کی صفیں الٹ دیں۔

ایک حبشی غلام وحشی سے ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے وعدہ لیا تھا کہ اگر تو حمزہ (رضی اللہ عنہ) کو شہید کر دے گا تو تجھ کو آزاد کر دیا جائے گا، بس وہ آزادی کے شوق میں حضرت حمزہؓ کی تاک میں لگا رہا اور موقع پا کر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔

دونوں فوجوں میں دیر تک زبردست معرکہ رہا، دونوں طرف کے بہادر جان پر کھیل کر لڑ رہے تھے، ادھر شوق شہادت اور اللہ کا کلمہ بلند کرنے کی فکر، ادھر اسلام کے مٹانے کی تمنا، دونوں طرف کے بہادر اپنے مقصد کے پورا کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہے تھے، سر کا پسینہ پاؤں کو آرہا تھا، آخر کار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے

زبردست حملوں سے کفار کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ پاؤں سر پر رکھ کر بھاگ نکلے اب مسلمان مال غنیمت جمع کرنے میں مشغول ہو گئے اس وقت مسلمانوں کا وہ دستہ بھی جس کو آپؐ نے پہاڑی پر حفاظت کے لئے مقرر کیا تھا، گھاٹی کی نگرانی اس خیال سے چھوڑ کر کہ اب تو فتح ہو گئی ہے، ہٹنے میں کوئی حرج نہیں، پہاڑی سے اتر آیا، ان کے سردار عبداللہ ابن جبیرؓ نے بہت روکا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم یاد دلایا، مگر وہ نہ رکے۔

خالد بن ولید جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، اس تاک میں لگے ہوئے تھے جیسے ہی پہاڑی خالی ہوئی فوراً ایک دستہ کے ساتھ پہاڑی کی پشت سے آکر بے خبری میں مسلمانوں پر حملہ کر دیا۔

مسلمان بالکل بے خبر مال غنیمت میں مشغول تھے، ایک دم سے حملہ ہوا تو بدحواس ہو گئے، اور اس بدحواسی میں اپنے ہی لوگوں پر پلٹ پڑے۔

اسلامی لشکر کے علمبردار حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ ایک کافر کے ہاتھ سے شہید ہو گئے، یہ صورت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ تھے، ان کا شہید ہونا تھا کہ کافروں نے شور مچا دیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے، اس خبر نے مسلمانوں کی جان پر

بنا دی، ان کے رہے سہے جوش جاتے رہے، اور کافروں کا یہ حال کہ ایک پر ایک ٹوٹے پڑتے تھے اور سارا زور ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب تھا، چاہتے تھے کہ کس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچ جائیں، اتفاق کی بات کہ صفوں کی بے ترتیبی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے راستہ بالکل صاف تھا، لیکن چند صحابہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھے، جس کی وجہ سے کفار کو موقع نہ ملا۔

جو لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر سن کر بدحواس مارے مارے ادھر ادھر پھر رہے تھے، اتفاق سے انہیں میں سے کسی کی نگاہ اچانک آپؐ پر پڑ گئی اور وہ اک دم چلا اٹھے، مسلمانوں، یہاں آؤ، اللہ کے فضل و کرم سے ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم یہاں موجود ہیں، یہ سن کر مسلمانوں کی جان میں جان آئی اور وہ پروانہ وار ٹوٹ پڑے اور آپؐ کو بیچ میں لے لیا۔

کفار مکہ ہر طرف سے سمٹ سمٹا کر اسی طرف آتے تھے اور جاں نثاروں کا ہجوم دیکھ کر کائی کی طرح چھنٹ جاتے تھے۔

ایک مرتبہ سب نے مل کر پھر نرغہ کیا، اور تیروں کی بارش شروع کر دی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثار صحابہؓ سارے تیر اپنے

اوپر لیتے رہے، یہاں تک کہ سات صحابہ شہید ہو گئے، پھر ایک بد بخت کافر جس کو لوگ بہت بہادر سمجھتے تھے، مجمع کو چیر کر، حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہونچ گیا اور چہرہ مبارک پر ایسی تلوار ماری کہ خود کی دو کڑیاں رخسار مبارک میں گھس گئیں اور ایک دندان مبارک شہید ہو گیا، جس کی وجہ سے چہرہ مبارک سے خون جاری ہو گیا، آپؐ چہرہ مبارک سے خون پونچھتے جاتے تھے اور ان کی ہدایت کی دعا فرماتے جاتے تھے سبحان اللہ! کیا شان کرم تھی، اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

اس لڑائی میں ستر مسلمان شہید ہوئے۔

شہیدوں میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی شہادت بڑی اہم تھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اس کا بڑا اثر تھا، پھر طرہ یہ کہ ابو سفیان کی بیوی ہندہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نکال کر چبایا تھا، یہ اور بھی تکلیف دہ بات تھی۔

لڑائی کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم چند صحابہؓ کو لے کر پہاڑ پر چڑھے، ابو سفیان بھی اپنی فوج کو لے کر دوسری پہاڑی پر چڑھ گیا اور وہاں سے ہبل کی جے پکاری، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہاں سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا، پھر شہیدوں کو دفن کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

مع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ طیبہ واپس ہوئے۔

اسی سال شعبان میں حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا اور رمضان المبارک میں حضرت زینب رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں، اور اسی سال شراب حرام ہوئی۔

یہودیوں کی شرارت

مدینہ طیبہ میں یہودیوں کی بھی آبادی تھی، ان کے کئی قبیلے آباد تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس بات پر صلح کی تھی کہ ہمارے ہر حال میں شریک رہنا، اور انہوں نے وعدہ بھی کیا تھا، لیکن جس میں ایمان نہیں اس کو اپنی بات کا پاس کہاں، وہ صلح اور معاہدہ کے باوجود اندر ہی اندر اسلام کی جڑ کاٹتے رہے، اور قریش مکہ سے ساز باز کرتے رہے اور چپکے چپکے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی تدبیریں کرتے رہے۔

جب یہودیوں کی طرف سے متعدد بد عہدیاں ہوئیں اور دشمنی کی آگ جوان کے دلوں میں زمانہ سے سلگ رہی تھی، بھڑک اٹھی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تنبیہ ضروری سمجھی، جس کی بھنک پاکر یہ یہودی کچھ روز تک قلعہ میں بند رہے، پھر مدینہ طیبہ چھوڑ کر خیبر

کی طرف چل دیئے۔

اسی سال صفر کے مہینے میں ستر صحابہؓ کی ایک جماعت نجد کی طرف تبلیغ کے لئے روانہ ہوئی، راہ میں چند قبیلوں نے مل کران کو گھیر لیا اور جنگ شروع کر دی، جس میں تمام صحابہؓ شہید ہو گئے، اس کے علاوہ قریش مکہ اور ان یہودیوں کی سازش سے متعدد لڑائیاں ہوئیں۔

جنگ احزاب

مدینہ طیبہ کے یہودی بنو نضیر مدینہ سے نکل تو گئے لیکن اپنی شرارتوں سے باز نہیں آئے اور باز کیسے آتے، دلوں میں تو بغض و عناد کی آگ بھڑک رہی تھی اور یہودی شروع سے ہی اسلام کے دشمن رہے ہیں، خاموش کیسے بیٹھتے، خیبر پہونچ کر اپنی کوششوں اور سازشوں سے سارے عرب میں فساد کی آگ لگادی، مکہ جا کر قریش کو تیار کیا، ادھر بنی غطفان کو آدھی پیداوار کا لالچ دے کر آمادہ کیا، ادھر دوسرے قبیلوں کو جا جا کر ابھارا، اور اس طرح سب ملا کر چوبیس ہزار کا لشکر مدینہ طیبہ روانہ ہوا۔

کافر چاہتے تھے کہ پوری قوت کے ساتھ حملہ کر کے اسلام کے نور کو بجھا دیں، مگر وہ کیسے بجھاتے، اللہ تعالیٰ تو اس کو روشن کرنے

والا تھا، وہ لاکھ تدبیریں کرتے، ایڑی چوٹی کا زور لگا ڈالتے اور ایک عرب کیا، ساری دنیا کی قوت جمع کرتے تب بھی یہ نور بجھنے والا نہیں تھا اور نہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی خبر ملی تو آپؐ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مشورہ لیا، حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نے یہ رائے دی کہ مدینہ طیبہ کے گرد خندق کھودی جائے تا کہ مدینہ محفوظ رہے، یہ رائے سب کو پسند آ گئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم تین ہزار مسلمانوں کو لے کر مدینہ طیبہ کے باہر تشریف لائے اور خندق کی کھدائی شروع ہوگئی۔

اللہ اکبر! اللہ کے رسولؐ اور اللہ کے جاں نثار و وفادار بندے مزدوروں کی طرح کام کر رہے ہیں، کئی کئی دن کا فاقہ، بھوک کی وجہ سے پیٹ پر پتھر بندھے ہیں، اسی حالت میں اپنے ہاتھوں سے مٹی کھودتے، پھر پیٹھوں پر لاد لاد کر دوسری طرف پھینکتے ہیں، نہ کمزوری محسوس ہوتی ہے نہ تکان، ہاتھ کام میں لگے ہیں اور دل اور زبان اللہ کے ذکر میں مشغول ہے، اللہ اللہ! اللہ کے نیک بندے ایسے ہی ہوتے ہیں۔

بیس دن میں یہ کام پورا ہوا، اور دشمن بھی اس عرصہ میں سر پر

پہونچ گئے۔

دشمنوں نے جب دیکھا کہ مدینہ کے اندر ہمارا داخلہ نہیں ہوسکتا، حد بندی ہوچکی ہے تو پھر مدینہ طیبہ کے گرد اپنا پڑاؤ ڈالا۔

دشمنوں کی فوج کثیر دیکھ کر منافقوں کے ہوش کھو گئے، وہ جھوٹے سچے بہانے کر کے چلتے بنے، ادھر یہودیوں کا دوسرا قبیلہ بنو قریظہ جو ابھی تک مدینہ میں آباد تھا، مسلمانوں سے ملا جلا اور اپنے عہد پر قائم تھا، لوگوں کے سمجھانے بجھانے پر آگیا اور اک دم عہد توڑ کر دشمنوں سے مل گیا۔

اب مسلمانوں کو اندر باہر دونوں دشمنوں سے مقابلہ کرنا پڑا۔

کفار مدینہ کو گھیرے پڑے تھے، شہر پر حملہ کرنے کے لئے کوئی راستہ نہیں ملتا تھا، ہر طرف ہاتھ پاؤں مارتے تھے مگر بے سود، اتفاق سے ایک طرف خندق کی چوڑائی کم تھی، بس اسی طرف سے ایک بڑا بہادر گھوڑا کدا کر اس پار آگیا، ادھر سے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ لپکے اور ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا، پھر اس زور سے اللہ اکبر کا نعرہ مارا کہ سارا شہر گونج اٹھا۔

یہ دن بڑا سخت تھا، دونوں طرف سے برابر حملہ ہو رہے تھے، دشمن ہر طرف سے تیر اور پتھر کی بارش کر رہے تھے، ادھر بنو قریظہ کو

شرارت سوجھی، ان کے پاس ایک قلعہ تھا، جس میں مسلمان عورتیں محفوظ تھیں، بس انہوں نے یہ ارادہ کیا کہ مسلمان تو لڑائی میں مشغول ہیں، لاؤ قلعہ پر اپنا قبضہ کر لیں، یہ ارادہ کر کے جیسے ہی ایک یہودی قلعہ کے پھاٹک پر پہونچا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے آگے بڑھ کر اس کو ایک وار میں ختم کر دیا، اور اس کا سر کاٹ کر میدان میں پھینک دیا، یہ دیکھ کر بنو قریظہ سمجھے کہ قلعہ میں بھی کچھ مسلمان ہیں، اس لیے آگے بڑھنے کی ہمت نہ ہوئی۔

اس محاصرہ میں جتنے دن بڑھتے جاتے تھے دشمنوں میں ایک دوسرے کی طرف سے پھوٹ پڑتی جاتی تھی، اللہ کا کرنا ایک بات یہ ہوئی کہ اس عرصہ میں کچھ لوگ مسلمان ہو گئے، لیکن کافروں پر اپنا اسلام ظاہر نہ کیا بلکہ ان میں گھس کر محبت جتا کر ان کے دلوں میں ایک دوسرے کی طرف سے پھوٹ ڈال دی، ادھر کھانے پینے کا سامان بھی ختم ہو گیا تھا، پھر اللہ کی طرف سے ایسی سخت آندھی آئی کہ ان کے ڈیرے خیمے سب اکھڑ گئے، اور بنو قریظہ ان کا ساتھ چھوڑ کر اپنے قلعوں میں چلے گئے ادھر بنو غطفان بھی الگ کھڑے ہو گئے اب قریش بے چارے اکیلے کیا کرتے، لاچار وہ بھی محاصرہ چھوڑ کر بھاگ نکلے، اور میدان اللہ کے فضل سے مسلمانوں کے ہاتھ آیا۔

بنو قریظہ کی بدعہدی کی سزا

بنو قریظہ نے مسلمانوں سے ایسے نازک وقت میں جو بدعہدی کی تھی اس کی سزا ان کو ملنا چاہئے تھی، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق سے واپس آکر ان کا محاصرہ کیا۔

بنو قریظہ قلعہ میں نظر بند ہو گئے، اور چاروں طرف سے ان کو مسلمانوں نے گھیر لیا، آخر انہوں نے لاچار ہو کر درخواست کی ہمارا فیصلہ کر دیا جائے اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کو انہوں نے اپنا منصف بنایا۔

حضرت سعدؓ نے یہ فیصلہ کیا کہ جو لڑنے کے قابل ہوں وہ تو قتل کر دیئے جائیں اور عورتیں اور بچے قید کر لئے جائیں، باقی مال و اسباب مسلمانوں میں تقسیم کر دیا جائے، بس پھر اسی فیصلہ پر عمل ہوا۔

صلح حدیبیہ

مسلمانوں کی بڑی تمنا تھی کہ مکہ معظمہ جا کر خانہ کعبہ کا طواف کریں اور اس کی زیارت سے اپنی آنکھیں ٹھنڈی کریں، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذی قعدہ ۶ھ میں عمرہ کا ارادہ فرمایا، اور ڈیڑھ ہزار صحابہ کرامؓ مکہ معظمہ کے قریب پہونچے تو ایک شخص کو

حالات دریافت کرنے کے لئے مکہ معظمہ روانہ کیا، اس نے آکر خبر دی کہ قریش ایک بڑی جماعت لے کر مسلمانوں کو روکنے کی غرض سے آرہے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ خبر سن کر حدیبیہ میں اتر پڑے اور حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ذریعہ مکہ والوں کو یہ پیغام بھیجا کہ ہم تم سے لڑنے نہیں آئے، ہمارا مقصد صرف بیت اللہ شریف کی زیارت کا ہے مگر کفار کسی طرح نہ مانے بلکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو قید کر دیا۔

مسلمانوں کو یہ خبر پہونچی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ شہید کر دیئے گئے، بس پھر کیا تھا ایک تہلکہ مچ گیا، تمام مسلمان جوش و خروش میں آگئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عثمان (رضی اللہ عنہ) کے خون کا بدلہ لینا فرض ہے پھر ایک ببول کے درخت کے نیچے تمام صحابہؓ سے جاں نثاری کی بیعت لی، اسی کو بیعت رضوان کہتے ہیں، یعنی اللہ کی خوشنودی کی بیعت، اللہ تعالی نے اپنے کلام پاک میں اس پر خوشی ظاہر فرمائی ہے، فرماتا ہے:۔

لَقَدْ رَضِيَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ يُبَايِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ (سورۂ فتح)

"تحقیق اللہ تعالی ان مسلمانوں سے خوش ہوا،

جنہوں نے درخت کے نیچے تم سے بیعت کی۔"

یہ سب ہو چکنے کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر غلط تھی، لیکن مسلمانوں کے اس جوش اور غیظ وغضب کا قریش پر بہت اثر ہوا، وہ گھبرا گئے، پھر انہوں نے بھی اپنا ایک قاصد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں روانہ کیا، اس قاصد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قریش کی چند شرطیں پیش کیں، جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منظور فرما کر صلح فرمالی، ان میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ مسلمان اس سال واپس جائیں، آئندہ سال آکر عمرہ کریں۔

اس معاہدہ کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ طیبہ واپس ہوئے۔

بادشاہوں کے نام تبلیغی خطوط

آپ تمام دنیا کے لئے آخری نبی تھے، اس لئے آپؐ نے امن وسکون قائم ہوجانے پر ارادہ فرمایا کہ اللہ کا پیغام اللہ کی زمین کے گوشہ گوشہ میں پہونچ جائے، اس زمانہ کا قاعدہ تھا کہ لوگ اپنے اپنے رئیسوں اور بادشاہوں کے تابع ہوتے تھے، وہ جس راہ پر لگاتے تھے

اور جس مذہب پر ہوتے تھے، عام وخاص سب اسی راہ پر لگ جاتے تھے، اس لئے آپؐ نے حق کا پیغام بادشاہوں کے نام پہونچانا ضروری خیال فرمایا، چنانچہ آپؐ نے محرم ۷ھ میں عرب اور عجم کے بادشاہوں کے نام خطوط ارسال فرمائے جن کے نام یہ ہیں۔

ہرقل شاہ روم، مقوقس شاہ مصر، کسریٰ شاہ فارس، نجاشی شاہ حبش، منذر ابن ساوی شاہ بحرین، ہودہ ابن علی شاہ یمامہ، حارث بن شمر غسانی شاہ دمشق، جعفر وعبد شاہ عمان،

ان دعوتی خطوط کو دیکھ کر بعض تو اسلام لے آئے اور بعض اسلام تو نہیں لائے مگر خط کی بہت قدر کی، اور قاصدوں کے ساتھ بہت عزت واحترام سے پیش آئے، جیسے مقوقس اور قیصر کہ انہوں نے اسلام تو نہیں قبول کیا مگر خط کو بہت ادب سے سر پر رکھ لیا، آنکھوں سے لگایا، اور مقوقس نے بہت سے تحائف آپؐ کی خدمت میں روانہ کیے، قیصر نے کہا، اگر میرے سر پر حکومت کا بار نہ ہوتا تو میں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوتا اور آپؐ کے قدم مبارک دھو دھو کر پیتا۔

نجاشی شاہ حبش مسلمان ہوا، جعفر وعبد مسلمان ہوئے۔

کسریٰ نے اپنی سلطنت اور قوت کے گھمنڈ میں دعوت حق کو ٹھکرادیا اور خط مبارک کے ٹکڑے کردیئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اللہ تعالی اس کے ملک کے یوں ہی ٹکڑے ٹکڑے کرے گا جیسا اس نے خط کے ساتھ معاملہ کیا ہے، اور یہ پیشین گوئی بالکل پوری ہوئی۔

اور بعض بد بختوں نے خطوط کی بھی بے حرمتی کی اور قاصدوں کی بھی۔

خیبر وفدک

یہودیوں کی تمام آبادی سمٹ سمٹا کر خیبر میں جمع ہو گئی تھی یہاں ان کے قلعے تھے، بڑی بڑی حویلیاں تھیں، مگر دماغ میں تو لڑائی کا سودا سمایا تھا اور دل میں فساد کی آگ بھڑک رہی تھی، اس لئے نہ چین سے بیٹھے اور نہ کسی کو بیٹھنے دیا، یہاں بھی حسب عادت مسلمانوں کے خلاف بڑی بڑی سازشیں کیں، جس سے مسلمانوں کے صبر کا پیالہ لبریز ہو گیا۔

۷ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حملہ کا اعلان فرمایا، اعلان ہوتے ہی چودہ سو سوار اور پیادے جہاد کے شوق میں اُٹھ کھڑے ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ طیبہ سے خیبر کے لئے روانہ ہو گئے۔

خیبر پہونچ کر بڑا سخت معرکہ ہوا، بڑی زبردست لڑائی ہوئی، تقریباً بیس ہزار دشمن تھے، لیکن اللہ تعالی نے مسلمانوں کی مدد فرمائی، یہودیوں کے تمام قلعے زبردست حملہ کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ لگے، اور اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو عظیم الشان فتح عطا فرمائی۔

اس جنگ میں حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے بڑی بہادری دکھلائی، قلعہ انہیں کے ہاتھ پر فتح ہوا، اور بڑے بڑے بہادران کے ہاتھ سے قتل ہوئے، پندرہ مسلمان اس لڑائی میں کام آئے یعنی جام شہادت نوش فرمایا، اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم وادی القریٰ کی طرف بڑھے جس میں تیما اور فدک وغیرہ تھے، وہاں کے یہودیوں نے خیبر والوں کی شرط پر صلح کر لی، اس کے بعد یہودیوں کی لڑائی کا خاتمہ ہو گیا۔

خیبر میں ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں۔

مدت کی تمنا پوری ہوئی ہے

عمرہ بھی ایک قسم کا چھوٹا حج ہے، اس میں احرام کی حالت میں کعبہ کا طواف کیا جاتا ہے اور صفا مروہ کی پہاڑیوں پر دوڑا جاتا ہے

اور کچھ دعائیں بھی پڑھی جاتی ہیں۔

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پچھلے سال تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ کی نیت سے مکہ معظمہ تشریف لے گئے تھے، لیکن بغیر عمرہ کیئے ہوئے واپس ہونا پڑا تھا، کفار کی شرط تھی کہ اگلے سال آکر عمرہ کریں، چنانچہ اس شرط کے مطابق ذی قعدہ ۷ھ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کا ارادہ فرمایا، اور اس کا اعلان فرما دیا، اس خبر کو سن کر مسلمان جوش وخروش کے ساتھ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں روانہ ہوئے۔

مکہ معظمہ پہونچے، مدت کی بچھڑی بستی کی آج اپنی آنکھوں سے زیارت کی، کعبہ کے گرد طواف کیا، غرض عمرہ کے تمام ارکان ادا کیئے اور شرط کے مطابق تین روز ٹھہر کر مدینہ طیبہ واپس ہوئے۔

موتہ کی لڑائی اور اسلام کی فتح

موتہ شام کا علاقہ ہے جو دمشق کے قریب اور بیت المقدس سے تقریباً دو منزل پر ہے، یہاں عیسائی رومیوں کی حکومت تھی۔

اب تک تو مسلمانوں کا صرف عرب یہود اور مشرکوں سے مقابلہ رہا، لیکن اب عیسائی رومیوں سے جنگ کی ضرورت پیش آگئی۔

یہاں کے سردار نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قاصد کو جو خط لے کر گیا تھا قتل کر ڈالا، چونکہ قاصد کا قتل جرم ہے، اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا بدلہ لینے کے لئے جمادی الاولیٰ ۸ھ میں تین ہزار فوج مدینہ طیبہ سے روانہ فرمائی اور حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کو اس پر سردار مقرر فرمایا اور فرمایا کہ اگر زید بن حارثہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب سردار بنائے جائیں، یہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ سپہ سالار ہوں، یہ بھی کام آجائیں تو پھر مسلمان جس کو چاہیں امیر بنالیں، اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ دیکھو لڑائی سے پہلے ان کو صلح پر آمادہ کرنا، اسلام کی تلقین کرنا، جب نہ مانیں تو پھر تلوار سے کام لینا۔

مسلمانوں کا لشکر روانہ ہوا، ادھر مسلمانوں کے مقابلہ میں شاہ غسان اور روم کے بادشاہ قیصر نے ڈیڑھ لاکھ فوج میدان میں اتار دی، اللہ اکبر، کہاں تین ہزار اور کہاں ڈیڑھ لاکھ، خدا کی شان نظر آتی ہے۔

دونوں فوجوں میں مڈبھیڑ ہوئی، غضب کا رن پڑا دونوں طرف کے بہادر اپنی پوری قوت سے کام لے رہے تھے، بڑی زبردست لڑائی ہوئی، مسلمان اللہ کی راہ میں شہادت کے شوق میں

اپنی جان ہتھیلی پر لئے ہوئے تھے، ان کو شہادت زندگی سے زیادہ عزیز تھی، اسی وجہ سے انہوں نے اپنی کمی اور دشمنوں کی زیادتی پر کوئی توجہ نہ کی اور بہت ڈٹ کر مقابلہ کیا، مگر یہ کم اور وہ پچاس گنا زیادہ، لڑتے لڑتے کلیجہ منہ کو آگیا، مارتے مارتے ہاتھ شل ہو گئے، دوڑتے دوڑتے پاؤں تھک گئے، لیکن کیا مجال کہ ایک قدم پیچھے ہٹے ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشین گوئی کے مطابق مسلمانوں کے تینوں سردار یکے بعد دیگرے شہید ہو گئے اور سرداری حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ہاتھ آئی جو اب مسلمان ہو چکے تھے، ان کی بہادری تو مشہور ہے، انہوں نے انتہائی بہادری اور نئی تدبیر سے ایسا زبردست حملہ کیا کہ دشمن کے ہوش اڑ گئے، صرف ایک ہی حملہ میں ڈیڑھ لاکھ کی فوج کا منہ پھر گیا، اور ان سے بھاگتے ہی بنا، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس چھوٹی سی فوج کو اتنی بڑی فوج پر نمایاں کامیابی عطا فرمائی اور وہ فتح و نصرت کے ساتھ خوشی خوشی کامیاب اور بامراد واپس ہوئے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لڑائی میں حضرت خالد رضی اللہ عنہ کو سیف اللہ (یعنی اللہ کی تلوار) کا لقب عطا فرمایا۔

فتح مکہ

خانہ کعبہ کی چھت پر اسلامی پرچم

صلح حدیبیہ کے موقع پر جو شرطیں مسلمانوں اور قریش کے درمیان ہوئی تھیں، ان کو مسلمانوں نے پورے طور سے نباہا، لیکن جو خود اپنے ہاتھ سے اپنے پاؤں پر کلہاڑی مار لے اس کا کیا علاج۔

کفار مکہ نے صلح کے باوجود مسلمانوں کے ایک دوست قبیلہ پر جو خزاعہ کا قبیلہ کہلاتا تھا حملہ کر کے اس کے بہت سے لوگوں کو، خاص حرم شریف کے اندر صرف دشمنی کی بنا پر بڑی بے دردی سے قتل کر ڈالا۔

اس قبیلہ کے چند آدمیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آکر فریاد کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ واقعہ سن کر بہت صدمہ ہوا، مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے یہ کیا کہ قریش کے پاس قاصد بھیجا، اور تین شرطیں فرمائیں کہ ان میں سے کوئی منظور کر لیں۔

(۱) قبیلہ خزاعہ کے جو لوگ مارے گئے ہیں، ان کے خون کا بدلہ دیں۔

(۲) بنو بکر کی حمایت سے الگ ہو جائیں (یہ قبیلہ خزاعہ کا

قاتل تھا)

(۳) اس کا اعلان کر دیں کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا۔

قریش کے سرداروں نے یہ تیسری بات مان لی کہ حدیبیہ کا معاہدہ ٹوٹ گیا، لیکن بعد میں بہت پچھتائے کہ ہم نے یہ کیا حرکت کی، فوراً ابوسفیان کو مدینہ طیبہ روانہ کیا کہ اس معاہدہ کو پھر سے قائم کرلیں، ابوسفیان آئے مگران کی ایک نہ چلی، ناکام واپس ہوئے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی عہد شکنی سے مجبور ہو کر ۱۰ رمضان المبارک ۸ھ کو ان مظلوموں کا بدلہ لینے کے لئے دس ہزار مسلمانوں کی فوج لے کر مکہ معظمہ روانہ ہوئے۔

مکہ معظمہ کے قریب پہونچ کر ایک جگہ قیام فرمایا، قریش کو جب اس کا علم ہوا تو ابوسفیان کو دریافت حال کے لئے روانہ کیا۔

ابوسفیان نے یہاں پہونچ کر فوج کا کرّ وفر دیکھا تو ہوش اڑ گئے، حواس کھو گئے، اور سمجھ گئے کہ اب قریش کی خیر نہیں، اب بغیر امن حاصل کئے چارہ نہیں، بس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے ذریعہ اپنے لئے امان حاصل کی، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کریمانہ برتاؤ سے متاثر ہو کر ایمان لے آئے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ، ابوسفیان کو اسلامی فوج کی شان

وشوکت دکھلانے کی خاطر پہاڑ کی چوٹی پر چڑھا لے گئے، تھوڑی دیر کے بعد اسلامی لشکر بڑی شان اور بڑے کرّ وفر سے آتا ہوا دکھائی دیا، اللہ اکبر کے نعروں سے مکہ کی پہاڑیاں گونج اٹھیں، اور ایک لشکر کے بعد دوسرا دوسرے کے بعد تیسرا، آخر میں مہتاب رسالت صلی اللہ علیہ وسلم نظر آیا، جس کے گرد وفاداروں، جاں نثاروں کا ہالہ تھا، گویا چاند کے گرد ہالہ ہو ابوسفیان یہ منظر دیکھ کر حیران رہ گئے، رعب سے آواز نہ نکلی، کہنے لگے، عباس (رضی اللہ عنہ) تمہارے بھتیجے کی بڑی شان ہے۔"

مکہ معظمہ میں مسلمانوں کا شاندار داخلہ

وہ مکہ جہاں آپؐ کو اور آپؐ کے جاں نثاروں کو طرح طرح کی تکلیفیں سہنا پڑیں، حتی کہ اپنا عزیز وطن چھوڑنا پڑا، اسی پیارے وطن اور مقدس سرزمین میں آج کس شان سے داخل ہو رہے ہیں۔

اب کسی کو چون وچرا کی طاقت نہیں، اب کسی کو دم مارنے کی ہمت نہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف راستوں سے فوج کو روانہ ہونے کا حکم فرمایا اور خود ہمارے سرکار دو عالمؐ ایک اونٹنی پر سوار، سیاہ عمامہ باندھے ہوئے اپنے پروردگار عالی جاہ کی بے حد حمد وثنا کرتے

ہوئے انتہائی عاجزی اور انکساری کے ساتھ خراماں خراماں حرم شریف میں داخل ہوئے اور تمام مسلمانوں کو ہدایت فرمادی کہ کوئی قتل و غارت نہ کرے اور یہ بھی اعلان فرمادیا کہ جو شخص ہتھیار ڈال دے، جو شخص خانہ کعبہ میں داخل ہوجائے، جو شخص اپنے گھر میں بیٹھ جائے، جو شخص ابوسفیان کے گھر میں داخل ہوجائے، جو شخص حکیم بن حرام کے گھر میں پناہ لے، جو شخص زخمی یا قیدی ہو، جو شخص جنگ سے بھاگ جائے وہ قتل نہ کیا جائے۔

اب مسلمانوں کا لشکر ایک معمولی جھڑپ کے بعد فتح و نصرت کے ساتھ حرم شریف میں داخل ہوا، آج کفر وشرک کی ساری قوت ختم ہوگئی، آج دشمنوں کے سارے منصوبے خاک میں مل گئے، آج ہبل اور لات ومنات کی جھوٹی خدائی کا زور ٹوٹ گیا، آج سچ کی فتح ہوئی اور باطل مٹ گیا۔

وَ قُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ
كَانَ زَهُوْقًا۔

"کہہ دو کہ دین حق آ گیا اور باطل مٹ گیا، واقعی
باطل مٹنے ہی والا تھا۔"

آج اسلام کا بول بالا ہے، آج اللہ اکبر کے نعروں سے مکہ کی

فضا گونج رہی ہے، آج کعبہ کی چھت پر اسلام کا پرچم لہرا رہا ہے۔

کل جہاں بتوں کے ترانے گائے جاتے تھے، آج وہاں اللہ جل شانہ کی حمد بیان ہونے لگی اور وہ بیت اللہ شریف جو بتوں کا مرکز تھا، جہاں تین سو ساٹھ بت رکھے تھے، آج وہ خالص اللہ کا گھر ہوگیا۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعہ کے دن ۲۰ رمضان المبارک کو تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ خانہ کعبہ کا طواف کیا اور اس کے اندر داخل ہوئے۔

قریش مکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں طرح طرح کی گستاخیاں کر چکے تھے اور مسلمانوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھا چکے تھے، آج اپنے کرتوتوں کی سزا ملنے کے خوف سے تھر تھر کانپ رہے تھے۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک نظر دیکھا اور فرمایا کہ مجھ سے کیا امید رکھتے ہو؟

انہوں نے عرض کیا "آپ شریف اور کریم النفس بھائی ہیں۔

آپ نے فرمایا، جاؤ آج تم سب کی خطا معاف، تم سب آزاد ہو۔"

قریش مکہ جن کو آج اپنی جانوں کے لالے پڑے تھے، یہ

یمانہ برتاؤ دیکھ کر حیران رہ گئے اور ایسا اثر پڑا کہ بڑے بڑے
راداسی وقت مسلمان ہوگئے۔

پھر آپؐ نے پندرہ دن قیام فرما کر واپسی کا ارادہ فرمایا اور
یک صحابی حضرت عتاب بن اُسیدؓ کو مکہ کا سردار مقرر فرما کر مدینہ طیبہ
واپس ہوئے۔

جنگ حنین

فتح مکہ کے بعد عرب میں اسلام کی دھاک بیٹھ گئی اور یہ بھی
بات ہے کہ قریش کے ڈر سے لوگ اسلام میں داخل ہوتے ڈرتے
تھے، لیکن مکہ فتح ہونے کے بعد تو لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل
ہونے لگے، اب کوئی روک ٹوک ہی نہ رہی، کعبہ کی چھت پر اسلامی
جھنڈا دیکھ کر ہر شخص کفر کا پھندا نکال کر اسلامی جھنڈے کے نیچے آگیا
مگر ہاں ثقیف و ہوازن کے قبیلے بڑے زبردست قبیلے تھے، وہ کسی
سے دب کر رہنا نہ چاہتے تھے، چنانچہ ہوازن کے قبیلہ کے سرداروں
نے لوگوں سے مل جل کر سب کو لڑائی پر آمادہ کیا اور ایک بڑی فوج
حنین کے میدان میں لا اتاری۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کا علم ہوا تو شوال ۸ھ

میں بارہ ہزار فوج کے ساتھ میدان میں پہونچ گئے، اس فوج میں
نومسلم بہت تھے، جن کے دلوں میں ابھی ابھی ایمان داخل ہوا تھا،
اچھی طرح جگہ بھی نہیں پکڑنے پایا تھا۔

ہوازن کے لوگ تیر چلانے میں بے مثل تھے، ان کی پہلی
ہی باڑھ سے مسلمان تتر بتر ہوگئے اور اک دم ان کے پاؤں اکھڑ گئے،
مگر ہمارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جگہ پر قائم رہے، آپؐ نے
دائیں بائیں انصار کو آواز دی، انہوں نے کہا، لبیک یا رسولؐ اللہ،
حاضر ہیں یا رسول اللہؐ، پھر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے للکارا، اے
انصار تم وہی ہو جنہوں نے اسلام پر جان دینے کی بیعت کی تھی، آؤ
آگے بڑھو، یہ سننا تھا کہ تمام مجاہدین پلٹ پڑے اور میدان میں اس
جوش سے بڑھے اور ایسا سخت حملہ کیا کہ کفار کے قدم اکھڑ گئے اور وہ
کائی کی طرح چھنٹ کر رہ گئے، پورے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی، آن کی
آن میں میدان مسلمانوں کے ہاتھ آگیا کافر بھاگ کر طائف میں
جمع ہوگئے، یہاں ثقیف کا قبیلہ بہت طاقت ور تھا۔

حنین کی لڑائی میں مال غنیمت بہت ملا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم
نے قریش کے نومسلموں کو بہت کچھ عطا فرمایا، انصار کو خیال ہوا کہ یہ
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وطن کے لوگ ہیں، آپؐ نے ان کو اتنا کچھ

ے ڈالا اور ہم محروم رہ گئے، آپؐ نے جب یہ سنا تو فرمایا ''اے انصار! کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے جائیں اور تم اللہ کے رسولؐ کو لے جاؤ۔''

انصار یہ سن کر خوشی میں چیخ اٹھے، کہنے لگے، ہم یہی تو چاہتے ہیں، ہم کو اس کا ڈر تھا کہ وطن والوں پر جو یہ بخششیں ہو رہی ہیں ایسا نہ ہو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بھی وطن اور وطن والوں کی محبت میں آ کر انہیں لوگوں کے ساتھ ہو لیں، بس آپؐ ہم کو مل گئے اب ہم کو کچھ نہ چاہیے۔

طائف کا محاصرہ

حنین سے شکست کھا کھا کر لوگ طائف میں جمع ہو گئے تھے اور جنگ کی تیاری کر رہے تھے ان کا قلعہ بہت مضبوط تھا، اور اس میں لڑائی کا سامان بھرا پڑا تھا اسی پر ان کو بہت گھمنڈ تھا۔

مسلمانوں نے کئی بار قلعہ پر حملہ کیا، لیکن قلعہ کسی طرح فتح نہ ہوا، لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ آپؐ دعا فرمائیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ اے اللہ ثقیف کو ہدایت فرما، چنانچہ دو ہی سال کے اندر ثقیف والے خود بخود حاضر خدمت ہو کر اسلام لائے۔

جنگ تبوک

۹ھ میں آپ کو یہ خبر ملی کہ جنگ موتہ کے ہارے ہوئے لوگ اور روم کے بادشاہ نے مسلمانوں کے مقابلہ کے لئے تبوک میں ایک زبردست فوج تیار کی ہے، یہ خبر سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مسلمانوں کی فوج تیار کرنے کا حکم دیا۔

ان دنوں مدینہ طیبہ میں سخت گرمی تھی اور کھجوریں باغوں میں پک کر تیار ہو گئی تھیں اور یہی مسلمانوں کی آمدنی تھی لیکن اللہ کے یہ مخلص بندے، اللہ کے لئے جان و مال سے حاضر ہو گئے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گھر کا کل سامان حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر لا ڈالا، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے گھر کا آدھا سامان پیش خدمت کیا، حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دس ہزار اشرفیاں اور تین سو اونٹ سامان سے لدے ہوئے حاضر خدمت کیے۔

غرض تمام صحابہ رضی اللہ عنہم نے دل کھول کر اسلام کی خدمت کی، آخر رجب ۹ھ میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تیس ہزار فوج لے کر میدان تبوک میں تشریف لائے لیکن یہاں پہونچ کر

خبر غلط معلوم ہوئی ، چنانچہ پندرہ بیس روز قیام فرما کر آپؐ واپس تشریف لائے ، یہ آپ کا آخری غزوہ تھا۔

حج

۹ھ میں آپؐ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ تین سو مسلمانوں کی جماعت مکہ معظمہ حج کے لئے روانہ فرمائی۔

مکہ معظمہ پہونچ کر حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اعلان کیا کہ اب کوئی کافر بیت اللہ شریف میں قدم نہ رکھے اور کوئی شخص ننگے بدن طواف نہ کرے۔

اسلام کی ترقی

فتح مکہ کے بعد اسلام کا غلغلہ بلند ہوگیا، اسلام کی شعائیں پوری دنیا پر پڑنے لگیں، لوگ ہر سمت سے وفد کی صورت میں آتے تھے اور اسلام کی دولت سے مالا مال ہوتے تھے۔

حجۃ الوداع

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری حج

جب تمام ملک عرب سے کفر و شرک کی بنیادیں اکھڑ گئیں

اور چاروں طرف اسلام کا دریا موجزن ہوگیا اور جس دین کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے تھے، وہ مکمل ہو چکا، اور اللہ تعالیٰ کے فرمان: اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ، سے بھی پتہ چل گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب دنیا میں چند ہی دن تشریف رکھیں گے، نبوت و رسالت کا جو مقصد تھا وہ پورا ہوگیا، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیقعدہ ۱۰ھ میں حج کا اعلان فرمادیا۔

یہ خبر تمام ملک عرب میں بجلی کی طرح پہونچ گئی اور ہر طرف سے مسلمان پروانہ وار ٹوٹ پڑے، ذیقعدہ کی ۲۶ رتاریخ شنبہ کے دن، آپ تمام مسلمانوں کے ساتھ مدینہ منورہ سے لبیک کہتے ہوئے روانہ ہوئے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ دائیں بائیں آگے پیچھے جہاں تک نگاہ پہونچتی تھی، بس آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب لبیک کہتے تھے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تمام مسلمان بھی کہنے لگتے تھے، اس وقت حجاز کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھتی تھیں۔

اللہ اللہ کیا وقت تھا، ایک لاکھ مسلمانوں کا مجمع اس میں آفتاب رسالتؐ جلوہ گر، پھر مقدس زمین کا سفر اسلام کا آخری رکن

ادا کرنے کا قصد، اللہ کے دربار میں حاضری کا دن اور سب ایمان
کے نشہ میں مست، اللہ اور اس کے رسولؐ کی محبت میں سرشار، حج کے
شوق میں بیتاب، لبیک کہتے ہوئے بے تابانہ وار بڑھے جارہے تھے،
آخر ۴ ذی الحجہ اتوار کے دن، صبح کے وقت یہ معزز قافلہ مقدس
سرزمین میں پہونچ گیا، مکہ معظمہ پہونچ کر آپؐ نے طواف کیا مقام
ابراہیم علیہ السلام میں دو رکعت نماز ادا کی، پھر سعی کے لئے صفا مروہ
پر تشریف لائے، پھر آٹھویں ذی الحجہ کو آپؐ سارے مسلمانوں کے
ساتھ منیٰ تشریف لے گئے، دوسرے دن نویں ذی الحجہ کو صبح کی نماز
پڑھ کر آپؐ عرفات تشریف لے گئے۔

عرفات کے میدان میں
آپؐ کا آخری خطبہ

نویں تاریخ کو عرفات کے میدان میں ایک لاکھ مسلمانوں
کی موجودگی میں آپؐ نے ایسا پر اثر وعظ بیان فرمایا کہ لوگوں کے دل
دہل گئے۔

فرمایا۔ ''اے لوگو! میری بات کان لگا کر سنو، نہیں معلوم
آئندہ سال تم سے ملوں یا نہ مل سکوں، تو اس وقت میری بات غور سے

سنو، دیکھو تمہارا ایک معبود ہے اور تم ایک باپ حضرت آدم علیہ السلام
کی اولاد ہو، سب مسلمان بھائی بھائی ہیں، کسی کو کسی پر بڑائی نہیں ہاں
جن کے اعمال نیک ہوں اور سنو عورتوں کے بارے میں اللہ سے
ڈرتے رہنا، تم دونوں کا ایک دوسرے پر حق ہے، اور دیکھو غلاموں
کے ساتھ زیادتی نہ کرنا جیسا کھانا ویسا کھلانا، اور جیسا پہننا ویسا پہنانا،
اور یاد رکھو تمہارا خون، تمہارا مال ایک دوسرے پر حرام ہے، دیکھو
میرے بعد گمراہ نہ ہوجانا کہ ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو، سن لو، تم کو
اللہ کے حضور میں حاضر ہونا ہے جہاں تم سے تمہارے عمل کے متعلق
پوچھ گچھ ہوگی، مسلمانو! میرے بعد تمہارے لئے اللہ تعالیٰ کی کتاب
اور میری پیروی سیدھا راستہ ہے، اگر اس پر مضبوطی سے قائم رہو گے
تو کبھی گمراہ نہ ہوگے، دیکھو اگر تم پر ایک نکٹا غلام بھی سردار ہو اور تم کو
اللہ کی کتاب کے مطابق حکم دے تو اس کا کہنا ماننا، اس کی اطاعت کرنا
اور اپنے رب کی پرستش کرنا، پانچوں وقت نماز پڑھنا، رمضان کے
مہینہ کے روزے رکھنا اور میرے حکموں پر عمل کرنا۔''

یہ فرما کر آپؐ نے فرمایا:

''اے لوگو! کیا میں نے تم کو اپنے رب کا پیغام پورا پورا
پہونچادیا۔''

لوگوں نے عرض کیا، بیشک آپؐ نے پورا پورا پیغام پہونچا دیا۔"

آپؐ نے فرمایا "اے اللہ تو گواہ ہے کہ تیرا پیغام تیرے بندوں کو پہونچا دیا، پھر آپؐ نے فرمایا:۔

"جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ میرا پیغام غیر حاضر کو پہونچا دیں۔"

خطبہ سے جب آپؐ فارغ ہوئے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لاکھ مجمع کے ساتھ ظہر اور عصر کی نماز ایک ساتھ ادا فرمائی۔

کتنا پر لطف منظر تھا، کیسا بہتر سماں تھا، اللہ اللہ ایک وہ زمانہ تھا کہ اس سے ۲۲ ربرس پہلے جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اکیلے معبود کی پرستش کی دعوت دی تو سوائے آپؐ کے چند ساتھیوں کے کسی کا سر اللہ کے آگے نہ جھکا اور آج یہ حال ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک لاکھ سر اللہ کے حضور جھکے ہیں اور اللہ اکبر کے نعروں سے مکہ گونج رہا ہے۔

پھر حج کے تمام ارکان ادا فرما کر آپؐ نے ایک وعظ اور فرمایا اور ۱۴ ر ذی الحجہ کی نماز خانہ کعبہ میں پڑھ کر سارے قافلہ کے ساتھ

مدینہ طیبہ روانہ [illegible]

وفات

مکہ معظمہ سے واپسی کے بعد صفر ۱۱ھ میں آپؐ نے ملک شام کی طرف ایک لشکر روانہ فرمایا اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو لشکر کا سردار بنایا، یہ فوج مدینہ طیبہ سے کچھ ہی دور گئی ہوگی کہ آپؐ کی طبیعت ناساز ہوگئی، آپؐ ۲۸ رصفر منگل کی رات کو مدینہ منورہ کے قبرستان بقیع تشریف لے گئے وہاں مُردوں کے لئے دعائے مغفرت فرمائی، جب وہاں سے پلٹے تو سر مبارک میں درد تھا، اور یہ دن ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کی باری کا تھا۔

آپؐ اس بیماری میں بھی باری کا بڑا خیال فرماتے رہے لیکن جب طبیعت زیادہ ناساز ہوئی تو سب کی خوشی سے آپؐ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں تشریف لے آئے۔

جب تک آپؐ میں طاقت رہی، برابر نماز کے لئے مسجد تشریف لے جاتے رہے، لیکن جب طاقت نے جواب دے دیا تو آپؐ کے حکم سے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز پڑھانے لگے۔

آخری خطبہ

وفات سے چار روز پہلے طبیعت کچھ سنبھل گئی تھی، بس آپؐ حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کاندھے پر سہارا دے کر مسجد تشریف لائے، جماعت کھڑی تھی، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آہٹ پا کر پیچھے ہٹنا چاہا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا۔

نماز کے بعد آپؐ نے مختصر خطبہ دیا۔

فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندہ کو اختیار دیا ہے کہ خواہ وہ دنیا لے یا آخرت کا گھر پسند کر لے، سو اس بندہ نے اللہ کے پاس جانا قبول کیا۔''

یہ سن کر حضرت ابوبکرؓ رو دیئے، اس لئے کہ وہ سمجھ گئے کہ یہ بندہ خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

پھر فرمایا: ''سنو انصار مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں، میں تم کو وصیت کرتا ہوں کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا اور دیکھو جو چیز میں نے حلال کی وہ اللہ ہی کے حکم سے حلال کی اور جو حرام کی وہ بھی اللہ ہی کے حکم سے حرام کی۔''

پھر فرمایا ''ا[illegible] صفیہ تم کو جو کچھ بھی بھلائی کرنا ہو اس دنیا میں [illegible] میں خدا سے نہیں بچا سکتا۔'' پھر آپ گھر تشریف لے [illegible]

دوشنبہ کے دن ظاہر میں طبیعت کچھ ہلکی تھی، حجرہ [illegible] مسجد نبوی سے ملا ہوا تھا، صبح ہو گئی تھی، آپؐ نے پردہ ہٹا کر جماعت کا منظر دیکھا، مسلمانوں کو نماز میں مشغول دیکھ کر آپؐ خوشی سے مسکرا دیئے، لوگ آہٹ پا کر سمجھے کہ آپؐ تشریف لانا چاہتے ہیں تو اس قدر خوش ہوئے کہ بے قابو ہو گئے، قریب تھا کہ نمازیں ٹوٹ جائیں اور حضرت ابوبکرؓ نے پیچھے ہٹنا بھی چاہا مگر آپ نے اشارہ سے منع فرما دیا اور فوراً چہرہ مبارک اندر کر کے پردہ چھوڑ دیا۔

پھر جیسے جیسے دن چڑھتا گیا، مرض میں ترقی ہوتی گئی، بار بار غشی طاری ہو جاتی تھی، حضرت فاطمہؓ سے آپؐ کی تکلیف نہ دیکھی گئی، کہنے لگیں، میرے ابا جان آپؐ کو کتنی تکلیف ہے۔''

آپؐ نے فرمایا: ''آج کے بعد تمہارا باپ کبھی بے چین نہ ہوگا۔''

آپؐ اس بے چینی میں زبان مبارک سے یہ ارشاد فرما رہے

تھے کہ خدائے تعالیٰ یہود اور نصاریٰ پر لعنت کرے کہ انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا (مطلب یہ کہ تم لوگ ایسا نہ کرنا) کبھی ارشاد فرماتے کہ دیکھو نماز کبھی نہ چھوڑنا اور غلاموں سے نیک برتاؤ کرنا۔

بارہ ربیع الاول ۱۱ھ میں دوشنبہ کے دن ترسٹھ سال کی عمر میں روح مبارک جسم مبارک سے نکل کر اعلیٰ علیین میں پہونچ گئی۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى رُوْحِ مُحَمَّدٍ فِى الْاَرْوَاحِ وَ
صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى جَسَدِ مُحَمَّدٍ فِى الْاَجْسَادِ
وَصَلِّ عَلٰى قَبْرِ مُحَمَّدٍ فِى الْقُبُوْرِ۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب آپؐ کی وفات کی خبر ملی تو جو ان پر گزری وہ کوئی انہیں کے دل سے پوچھے، ان کے دلوں پر رنج و غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے، ان کی آنکھوں میں دنیا اندھیری ہوگئی، اور کیوں نہ ہوتی، اس صدمہ سے بڑھ کر روئے زمین پر کوئی صدمہ ہی نہیں، یہ صدمہ ایسا تھا کہ لوگوں کے کلیجے پھٹ جاتے، جگر شق ہوجاتے تو بھی کم تھا، مسجد نبوی میں کہرام مچا تھا، مدینہ طیبہ کے گلی کوچوں سے رونے کی آوازیں آرہی تھیں، ہر شخص آپے سے گزرا ہوا تھا اور زبان حال سے یہ کہہ رہا تھا

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم بہار آخر شد

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور چہرہ انورؐ سے چادر اُٹھا کر رخ انور کی زیارت سے مشرف ہوئے، پھر مسجد میں آکر لوگوں کو قرآن شریف کی چند آیتیں سنا کر صبر و تحمل کی ہدایت کی، جس سے لوگوں کو کچھ تسکین ہوئی، پھر حضرت فضل بن عباس، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت عباس، حضرت اسامہ رضی اللہ عنہم نے آپؐ کو غسل دیا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرہ میں، جہاں آپؐ نے وفات پائی تھی دفن کیا۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ
وَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

ازواج مطہرات

آپؐ کی گیارہ بیویاں تھیں، سب سے پہلی بیوی حضرت خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ عنہا تھیں، ان کی وفات کے بعد زمعہ کی بیٹی حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں آئیں، ان کے بعد اور بیویاں ہیں، جن کے نام یہ ہیں، حضرت زینب ام المساکین

رضی اللہ عنہا، حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا، حضرت ام حبیبہ بنت ابوسفیان رضی اللہ عنہا، حضرت حفصہ بنت حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہا، حضرت میمونہ بنت حارث رضی اللہ عنہا، حضرت صفیہ بنت حی بن اخطب رضی اللہ عنہا، حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا۔ حضرت زینب ام المساکین رضی اللہ عنہا آپؐ کے سامنے وفات پا گئی تھیں اور باقی سب بیویاں آپؐ کے بعد زندہ رہیں، آپؐ کی ایک بیوی حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں۔

یہ بیوی مصر سے کنیز بن کر آئی تھیں، لیکن یہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کا شرف حاصل ہو گیا یہ سب اُمت کی مائیں ہیں، اللہ تعالیٰ ان سب سے خوش و راضی ہو۔

ذریات پاک

اولاد

آپؐ کی جو اولاد ہوئی، سب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے ہوئی، صرف حضرت ابراہیم حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے پیدا ہوئے۔

حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے تین صاحبزادے تھے،

حضرت قاسم، حضرت طاہر، حضرت طیب، یہ سب بچپن ہی میں وفات پا گئے تھے۔

صاحبزادیاں چار تھیں اور سب اپنی عمر کو پہونچیں، سب نے اسلام کا زمانہ دیکھا، سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا تھیں، ان کا نکاح ابوالعاصؓ سے ہوا تھا، انہوں نے ۸ھ میں وفات پائی، ان کی ایک بیٹی امامہ تھیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبوب تھیں۔

دوسری صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں ان کا نکاح حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا ۲ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

تیسری صاحبزادی حضرت اُم کلثوم رضی اللہ عنہا تھیں حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کے انتقال کے بعد یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں، ۹ھ میں وفات پائی۔

چوتھی صاحبزادی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا تھیں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بڑی پیاری بیٹی تھیں، حضورؐ فرماتے تھے فاطمہ میرے جگر کا ٹکڑا ہے جس نے اس کو تکلیف دی، اس نے مجھے تکلیف پہنچائی ان کی شادی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے ہوئی تھی، ان کے دو صاحبزادے تھے، حضرت حسن اور حضرت حسین رضی اللہ عنہما، یہ

دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبوب تھے۔

اخلاق وعادات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جو سارے عالم کی ہدایت کے لئے بھیجے گئے تھے، جن کا مقصد اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو راہ راست پر لانا، اور دنیا وآخرت کی فلاح و بہبودی کی تعلیم دینا تھا، بھلا ان کے اخلاق وعادات کا کیا پوچھنا، ان کی تعریف خود اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں فرمائی ہے، فرماتا ہے:

اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ

"بے شک تم حسن اخلاق کے اعلیٰ درجہ پر ہو"

غور کرنے کی بات ہے جہاں قتل و غارت گری، وحشت و بربریت کی حد نہ ہو، جہاں بیٹی انتہائی بے رحمی کے ساتھ زندہ دفن کردی جاتی ہو، جہاں شراب و جوا گھٹی میں پڑا ہو، جہاں کے لوگ ظلم وستم کے عادی ہوں، جن کا پیشہ محض لوٹ مار ہو، جہاں بھائی، بھائی کے خون کا پیاسا ہو، وہاں ایک یتیم و یسیر، امی جس کا کوئی زور نہیں کوئی طاقت نہیں، کوئی دبدبہ نہیں، محض اپنے اخلاق کریمانہ سے ایسے لوگوں کو اپنالے، اور اپنا ہمنوا بنالے، یہ اخلاق کریمانہ کا کھلا

ہوا ثبوت ہے یا نہیں؟

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو علم لدنی عطا فرمایا، اور آپؐ کی ذات والا صفات میں تمام صفتیں عطا فرما کر مجسم حسن وخوبی بنادیا تھا۔

حضور پرنور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم خندہ رو، خوش خلق، کریم النفس، سلیم الطبع، کشادہ جبیں، متواضع رحم دل اور بہت فیاض تھے، عقل وفہم، ذہانت وذکاوت، حکمت وفراست میں بے مثال تھے، اور نہایت شیریں کلام، انتہائی فصیح البیان، حلیم وبردبار، سنجیدہ اور متین، بے بسوں کے حامی، بے کسوں کے مددگار، اپنے پرائے سب کے ساتھ حسن سلوک کرنے والے، غرض یہ کہ اپنی امت کے ہر درد کی دوا تھے۔

آپؐ کی تواضع، حلم و بردباری اور سخاوت وشجاعت کے سیکڑوں واقعات ہیں، جو اس چھوٹی سی کتاب میں آنا مشکل ہیں۔

شجاعت وبہادری

آپؐ باوجود فقر وفاقہ کی زندگی گزارنے کے ایسے قوی اور اتنے بہادر تھے کہ بڑے بڑے معرکوں میں، جب کہ بڑے بڑے بہادر ہمت ہار جاتے تھے، اور گھبرا جاتے تھے، لیکن آپؐ انتہائی مستقل

مزاجی کے ساتھ دشمن کے مقابلہ پر جمے رہتے تھے، کبھی خوف وہراس کی ہوا نہیں لگی، کبھی چہرہ مبارک پر بل نہیں آیا۔

بلند ہمتی اور ارادہ کی مضبوطی

آپؐ ارادہ کے ایسے مضبوط اور خیالات کے ایسے پختہ تھے کہ تیس سال کی مدت میں طرح طرح کی مصیبتوں اور قسم قسم کی مشکلات کا سامنا ہوا، لیکن قدم مبارک اور پائے ہمت کو ذرا لغزش نہ ہوئی، حق وصداقت کی جو آواز اٹھائی تو اس کو بلند کر کے اور ساری دنیا سے منوا کے دم لیا، آپؐ نے اپنے شفیق چچا ابو طالب سے فرما ہی دیا تھا کہ چچا جان قریش اگر میرے ایک ہاتھ پر سورج اور دوسرے ہاتھ پر چاند رکھ دیں تب بھی میں اپنے ارادے سے باز نہ آؤں گا، خواہ اس میں میری جان ہی جاتی رہے، پھر قوم نے کیسی کیسی لالچ دی، ڈرایا، دھمکایا، سمجھایا بجھایا، مگر آپؐ کے پائے ثبات کو جنبش نہ ہوئی۔

جود وسخاوت

آپؐ کی سخاوت اور جود وکرم کا یہ حال تھا کہ کبھی کسی سائل کو محروم نہیں پھیرا، جو جس نے مانگا فوراً عطا فرمایا، خود تکلیف برداشت کی، خود فقر وفاقہ سے زندگی گزاری مگر مانگنے والوں کو خالی واپس نہیں

کیا، اور خود نہ دے سکے تو کسی صحابیؓ سے دلوا دیا، غرض دیا ضرور۔

جب مال غنیمت آتا تھا تو اپنے دست مبارک سے بھر بھر کر لوگوں پر تقسیم فرما دیتے تھے اور پھر اگر کچھ بچ جاتا تھا تو جب تک اس کو تقسیم نہ کر لیتے تھے آپؐ کو چین نہ ملتا تھا۔

شفقت ومحبت

آپؐ انتہائی رحم دل، بہت ہی مہربان اور شفیق تھے کسی کی ذرا سی تکلیف گوارا نہ فرماتے تھے، یتیموں سے انتہائی محبت کرتے تھے، اسلام سے پہلے عورتوں اور غلاموں پر بڑی سختی ہوتی تھی، آپؐ نے ان بے کسوں پر رحم فرمایا، اور لوگوں کو بھی ان کے ساتھ حسن سلوک اور رحم دلی کی تعلیم دی اور پھر یہ انسان ہی پر موقوف نہ تھا بلکہ جانوروں پر بھی رحم فرماتے تھے، لوگوں کو اس کی تاکید فرماتے تھے کہ بے زبانوں پر رحم کرو، دیکھو ان کے معاملہ میں اپنے پروردگار سے ڈرو، ان پر ظلم نہ کرو، اگر تم ان پر رحم کرو گے تو آسمان والا تم پر رحم فرمائے گا۔

کرو مہربانی تم اہل زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرش بریں پر

حلم وبردباری

آپؐ ایسے حلیم وبردبار تھے کہ اس کی نظیر نہیں مل سکتی دشمنوں نے آپؐ کو طرح طرح کی تکلیفیں پہونچائیں، پائے مبارک زخمی ہوئے، دندان مبارک شہید ہوئے، خود کی کڑیاں چہرہ مبارک میں گھس گئیں، اس کے علاوہ کتنی ہی گستاخیاں آپؐ کی شان میں ہوئیں، مگر آپؐ نے جس خندہ پیشانی سے یہ سب برداشت کیا، یہ آپؐ ہی کا کام تھا اور یہی نہیں بلکہ آپؐ نے تکلیف دینے والوں کے حق میں دعائے خیر فرمائی ہے اور کبھی بدسلوکیوں کا بدلہ نہیں لیا، ہاں اللہ تعالیٰ کے خلاف کوئی بات کسی میں پاتے تو پھر آپؐ سے زیادہ کسی کو غصہ نہیں آتا تھا۔

جفاکشی

آپؐ سستی وکاہلی کو بہت ناپسند فرماتے تھے، بچپن میں اپنی دائی حلیمہؓ کے بہت سے کام کردیا کرتے تھے، ان کی بکریاں چراتے تھے، پھر جب آپؐ جوان ہوئے تو تجارت کو اپنا پیشہ بنایا، اور اپنی قوت بازو سے کما کر کھایا اور لوگوں کو بھی اس کی ترغیب دی کہ اپنے ہاتھ سے کما کر کھاؤ۔

برابری کا برتاؤ

امیر وغریب، چھوٹا بڑا، غلام وآقا سب آپؐ کے نزدیک یکساں تھے، کسی کو کسی پر فوقیت نہ دیتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ہر کام میں برابر شریک رہتے تھے، مسجد نبوی کی تعمیر اور خندق کی کھدائی میں سب کے ساتھ برابر کام کیا اور مسلمانوں کو برابر اس کی تاکید فرماتے تھے کہ دیکھو مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں، کسی کو کسی پر بڑائی نہیں، سوائے نیکی کے۔

عفو وکرم

عفو وکرم میں آپؐ اپنا جواب نہ رکھتے تھے، طائف والوں کے ظلم وستم، مکہ والوں کی ایذا رسانی جس سے سننے والوں کے دل دہل جائیں، مگر آپؐ نے ان سے کبھی انتقام نہ لیا، آپؐ کے محبوب چچا حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو بیدردی سے قتل کرنا، پھر ان کے جگر کو نکال کر اور چبا کر اپنے دل کی لگی بجھانا، پھر خود آپؐ کو زہر دینا آپؐ کو شہید کرنے کے لئے حملہ کرنا، یہ باتیں ایسی نہیں ہیں کہ انسان ان کو بھول جائے، لیکن آپؐ کی شان رحمت دیکھو کہ فتح مکہ کے بعد جب وہی تمام مجرم آپؐ کے سامنے لائے گئے، تو آپؐ نے بغیر کسی جرم کی

باز پرس کیے سب کو معاف کر دیا، کیا کوئی ایسی مثال پیش کر سکتا ہے؟

عجز وانکسار

آپؐ سردار دو جہاں تھے لیکن آپ کی عاجزی وانکساری کا یہ حال تھا کہ صحابہ کرامؓ کے مجمع میں کبھی کوئی ایسی چیز پسند نہیں فرمائی، جس سے آپؐ کی بڑائی معلوم ہو، اگر کوئی تعظیماً کھڑا ہو جاتا تھا تو آپؐ فوراً اس کو منع فرما دیتے تھے، سادگی کا یہ حال تھا کہ آپ معمولی معمولی کام اپنے دست مبارک سے خود کر لیتے تھے کسی کو تکلیف نہ دیتے تھے، ایسی حالت میں جب کہ لوگ سر کے بل آپؐ کے کام کو دوڑتے تھے، پسینہ کی جگہ خون گرانے کو تیار، جان و دل سے خدمت کرنے کو موجود، مگر آپؐ نے کسی سے اپنا کام لینا گوارا نہ فرمایا، پھٹے کپڑے، ٹوٹی جوتی آپؐ خود سی لیتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں دس برس آپؐ کی خدمت میں رہا مگر آپؐ نے کبھی ہوں سے ہاں نہیں کی، کبھی یہ نہ فرمایا کہ یہ کام تم نے کیوں نہ کیا، اور یہ کام کیوں کیا۔

شرم وحیا

آپؐ کی شرم کا یہ حال تھا کہ ہمیشہ نیچی نگاہ رکھتے تھے، کنواری لڑکیوں میں اتنی شرم وحیا نہ ہوگی جتنی ہمارے نبیؐ میں تھی، کبھی آپؐ

زور سے کھل کھلا کر نہیں ہنسے، کبھی آپؐ کو کسی نے برہنہ نہیں دیکھا۔

دنیا سے بے رغبتی

آپؐ کے کھانے پینے میں کوئی تکلف نہ ہوتا تھا، موٹا جھوٹا کپڑا پہنتے تھے اور جو میسر آتا تھا وہ نوش فرما لیتے تھے، زمین، چٹائی، چمڑا، جو بھی مل جاتا تھا اس پر بے تکلف بیٹھ جاتے تھے، موٹے بالوں کے کمبل کا بستر تھا، اس پر آپؐ سو رہتے تھے، کبھی ٹاٹ، کبھی چمڑے کے بستر پر ہی آرام فرما لیتے تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے، دیکھا کہ ایک بوریے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم لیٹے ہوئے ہیں اور سر مبارک کے نیچے چمڑے کی چھال کا تکیہ ہے اور اس بوریے کے نشانات جسم اطہر پر پڑے ہیں، بس حضرت عمرؓ یہ منظر دیکھ کر رو دیئے، آپؐ نے فرمایا "عمر روتے کیوں ہو؟

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، یا رسول اللہ کیسے نہ روؤں، بوریئے کے نشانات جسم اطہر پر پڑے ہیں اور گھر کی کل کائنات یہ ہے جو میں دیکھ رہا ہوں، یا رسول اللہ، کافر تو عیش کریں اور آپؐ اللہ کے رسول ہو کر تکلیف اٹھائیں۔"

آپؐ نے فرمایا ”عمرؓ! تم اب تک سمجھے نہیں کہ آخرت کا گھر دنیا کے گھر سے بہتر ہے اور ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے، اللہ تعالی نے کافروں کو اس فانی دنیا میں دے دیا ہے، اور ہمارے لئے ہمیشگی کے گھر میں آرام ہے۔“

غذا نہایت معمولی ہوتی تھی، جو کی روٹی، وہ بھی نمک یا سرکہ سے، یا جو چیز مل گئی اس سے نوش فرماتے تھے، کبھی ایک پیالہ دودھ ہی استعمال فرماتے تھے، کبھی صرف ایک دو کھجوریں نوش فرما کر پورا دن گزار لیتے تھے، یہ تھی ہمارے سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی، جس پر لاکھوں زندگیاں قربان۔

مہمان نوازی

اس فقر و فاقہ کے باوجود بھی آپؐ کے یہاں اکثر مہمان آتے رہتے تھے، اور جو کچھ گھر میں موجود ہوتا تھا وہ ان کو کھلا دیتے تھے، پھر مسلمان، مشرک اور کافر سب ہی آپؐ کے مہمان ہوتے تھے، اور آپ سب کی خاطر و تواضع کرتے تھے، ان کی خدمت کرتے تھے ان کو ہر طرح کا آرام پہونچاتے تھے، کبھی ایسا ہوتا تھا کہ گھر میں کوئی چیز کھانے کی ہوتی اور کوئی مہمان آجاتا تو آپؐ سب اس کو کھلا دیتے تھے

اور آپؐ فاقہ کر لیتے تھے، کبھی کوئی مہمان آجاتا اور آپؐ کے گھر میں کچھ کھانے کو نہ ہوتا تو آپؐ اس کو کسی صحابیؓ کا مہمان بنا دیتے تھے۔

غریبوں کے ساتھ آپؐ کا برتاؤ

ایک مرتبہ ایک قبیلہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوا، یہ قبیلہ اتنا غریب تھا کہ تن ڈھانکنے کو کپڑا نہ تھا نہ پیٹ بھرنے کو روٹی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی یہ حالت دیکھ کر بہت گھبرائے، اسی پریشانی میں کبھی اندر تشریف لے جاتے، کبھی باہر تشریف لاتے، اس کے بعد آپؐ نے تمام مسلمانوں کو جمع کر کے ان کی مدد کی طرف توجہ دلائی، بس پھر کیا تھا، کپڑے اور غلے کا ڈھیر لگ گیا، اور آپؐ خوش ہو گئے۔

صبر و توکل

صبر و توکل میں آپؐ بے مثال تھے، ہر معاملہ میں اللہ پر پورا بھروسہ رکھتے تھے، سخت سے سخت خوف اور خطرہ کے وقت بھی آپ کی نظر اللہ تعالیٰ پر رہتی تھی، غار ثور میں جب کفار بالکل سر پر پہونچ گئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ یہ دیکھ کر بہت گھبرائے تو آپؐ نے نہایت اطمینان سے فرمایا کہ گھبراؤ نہیں اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

اللہ کی رضا پر راضی اور خوش رہنے کا یہ حال تھا کہ کبھی کوئی

تک کھانے کو نہ ہوتا تھا، پیٹ مبارک پر پتھر باندھتے تھے، دو دو مہینے آپؐ کے گھروں میں چولہا نہیں جلتا تھا، صرف کھجوروں پر ہی دن گزار لیتے تھے، کبھی روزہ رکھ لیتے تھے اور اس پر خود بھی صبر کرتے تھے اور دوسروں کو بھی صبر کی ہدایت فرماتے تھے اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا فرماتے تھے۔

عبادت وبندگی

آپؐ تمام گناہوں سے پاک وصاف اللہ کے محبوب اور برگزیدہ بندہ تھے لیکن اس پر بھی عبادت کا یہ حال تھا کہ تہجد کی نماز میں جو کھڑے ہوتے تھے تو پائے مبارک پر ورم آجاتا تھا، کئی کئی دن نفلی روزے رکھتے تھے، رمضان المبارک میں سب سے زیادہ عبادت کرتے تھے، اور آخر عشرہ میں تو کمر کس کر تیار ہو جاتے تھے اور گھر والوں کو بھی تیار کرتے تھے۔

اعتکاف میں ضرور بیٹھتے تھے، زبان مبارک ہر وقت ذکر سے تر رہتی تھی، مرض الموت میں بھی آخری دم تک دل میں اللہ تعالیٰ کی یاد اور زبان مبارک پر ذکر جاری تھا، اس کے علاوہ تمام نیک کاموں میں سب سے آگے رہتے، بیماروں کی عیادت خود فرماتے،

خواہ دوست ہو یا دشمن، مسلمان ہو یا کافر، مظلوموں کی فریاد سنتے اور انصاف کے ساتھ اس کا فیصلہ فرمادیتے، کمزوروں پر رحم فرماتے، قرض داروں کا قرض اپنے پاس سے ادا فرمادیتے تھے۔

جرم کی سزا دینے میں شریف اور رذیل نہ دیکھتے تھے، مجرم خواہ کتنا ہی شریف ہو، بغیر سزا دیئے نہ چھوڑتے تھے، ایک مرتبہ ایسے ہی موقع پر فرمایا کہ "اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹوں گا۔"

پڑوسیوں کی خبر گیری فرماتے تھے، ان کے یہاں تحفے بھیجتے تھے، جو کوئی آپؐ سے کام کو کہتا آپؐ ضرور کردیتے تھے۔

بچوں سے بڑی محبت رکھتے تھے، ان کو چومتے تھے پیار کرتے تھے، راستہ میں کوئی بچہ مل جاتا تھا تو اس کو خود ہی سلام کرتے تھے، غرض آپؐ ساری دنیا کے لئے رحمت بن کر تشریف لائے تھے، اس لئے آپؐ مجسم رحمت تھے۔

حلیہ مبارک

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو باطنی خوبیوں کے ساتھ ظاہری خوبصورتی میں بھی ضرب المثل بنایا تھا، آپؐ کے جسم مبارک کے تمام

اعضاء نور کے سانچہ میں ڈھلے ہوئے تھے، نہایت مضبوط، بہت موزوں، بے حد حسین اور خوبصورت۔

آپؐ کا رنگ سرخ وسفید تھا، قد مبارک نہ بہت لانبا نہ چھوٹا، سر مبارک بہت خوبصورت اور بڑا، بال گھونگھر والے، آنکھیں بڑی اور سرمگیں، ان میں سرخ ڈورے، دانت مبارک بہت خوبصورت، سفید اور چمک دار تھے، جیسے سچے موتی کی لڑیاں، بولتے وقت چہرہ مبارک سے خوشی ظاہر ہوتی تھی، داڑھی خوب گھنی تھی۔

خوشی کے وقت چہرہ مبارک چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا، غرض آپ کی سیرت وصورت، دونوں نور علی نور تھیں۔

حسن یوسف دم عیسیٰ ید بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ چاندنی رات میں کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ منور کو دیکھتا تھا اور کبھی چاند کو لیکن خدا کی قسم آپؐ کا چہرہ مبارک چاند سے کہیں زیادہ حسین تھا۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ۔